الوداع ماہِ رمضان کے ثبوت پر اعلیٰ حضرت کے نایاب فتوی اور دیگر
علمائے اہلسنّت رحمۃُ اللہِ علیہم کے فتاویٰ پر مشتمل زبردست رسالہ

فَیصَلَۃُ النِّزاع فِی خُطبَۃِ الوَداع

کا خلاصہ مع ترجمہ وتخریج

الوداع ماہِ رمضان

مصنف: مولانا حفظ الرحمن رحمۃُ اللہ علیہ
تلخیص، ترجمہ وتخریج: مولانا کاشف سلیم مدنی
معاون: مولانا ندیم حنفی مدنی

الوداع ماہِ رمضان کے ثبوت پر اعلیٰ حضرت کے نایاب فتویٰ اور
دیگر علمائے اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہم کے فتاویٰ پر مشتمل زبردست رسالہ

فَیصَلَۃُ النِّزَاع
فِیْ خُطْبَۃِ الْوَداع

کا خلاصہ مع ترجمہ و تخریج

الوداع ماہِ رمضان

مصنف: مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

تلخیص، ترجمہ وتخریج: مولانا کاشف سلیم مدنی

معاون: مولانا ندیم حنفی مدنی

پیش لفظ

رمضان المبارک وہ بابرکت مہینا ہے جس کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت بیان کئے گئے ہیں، یہ وہ مہینا ہے جس کے قدردان اس کا پورا سال انتظار کرتے ہیں، یہ وہ مہینا ہے جس کا استقبال خود اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے ثابت ہے، اسی مہینے کے متعلق ہم گناہگاروں کو بخشوانے والے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت ضرور تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو، (ابن خزیمہ، 3/ 190، حدیث:1886) نزولِ قرآن بھی اسی مہینے میں ہوا، مسلمانوں کو عظیم فتح غزوۂ بدر بھی اسی مہینے کے حصے میں آئی، ہزار مہینوں سے افضل شبِ قدر کو بھی اسی کی آخری دس طاق راتوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے الغرض یہ مبارک مہینا رحمتوں کی برسات سے مغفرت کی بشارت اور گناہگاروں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دینے والا ہے، مسلمان اس کے آنے پر خوش ہوتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ جس کے آنے پر جتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے اس کی جدائی کے وقت اتنا ہی دکھ بھی ہوتا ہے اسی لئے جہاں اس مہینے کے قدردان اس کی آمد پر خوش ہوتے ہیں وہیں انہیں اس کے جانے پر دکھ اور صدمہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے لیکن شیطان اپنی عادت کے مطابق جہاں ہر نیک اور اچھے کام سے روکتا ہے وہیں اس مہینے کو الوداع کہنے کے حوالے سے بہت سے وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ رسالہ دراصل انہیں وسوسوں کو دور کرنے کیلئے لکھا گیا ہے۔

اس رسالہ کا نام ”فَیْصَلَۃُ النِّزَاعِ فِیْ خُطْبَۃِ الْوَدَاعِ“ ہے جو کہ مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہے اس رسالہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ (1272ھ۔1340ھ) کا ایک نایاب فتویٰ

بھی ہے جو ہماری معلومات کے مطابق فتاویٰ رضویہ شریف اور آپ کی دیگر کتابوں میں نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

اس رسالہ کا پرانا نسخہ (ایس سی دہر پریس کلکتہ) ہمیں لاہور کے جناب ابرار عطاری صاحب کے ذریعے دستیاب ہوا جس پر ان کے شکر گزار ہیں، یہ نسخہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا حاجی محمد لعل خان قادری رضوی رحمۃُ اللہِ علیہ (1283ھ-1339ھ) کے اہتمام سے شائع ہوا جنھیں امام اہلسنّت رحمۃُ اللہِ علیہ نے حامی سنت، ماحی بدعت لکھا ہے لہٰذا اسی نسخہ کو معیار بنایا گیا اور مزید درج ذیل کام کئے گئے:

- عوام کی آسانی کیلئے پورے رسالہ کا آسان انداز میں خلاصہ کردیا گیا ہے اور اس کا نام "الوداع ماہِ رمضان" رکھا گیا ہے۔
- رسالہ کو صحیح تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلے میں اس کا تقابل وپروف ریڈنگ کی گئی ہے۔
- قرآنی آیات واحادیثِ کریمہ ودیگر عبارتوں کی تخریج کی گئی ہے۔
- آیات کا ترجمہ حاشیہ میں کنزالایمان سے کیا گیا ہے۔
- احادیث پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔
- متنِ احادیث کو ڈبل بریکٹ (( )) اور کتابوں کے ناموں کو اِنورٹڈ کاماز ("") کے ذریعے ممتاز کیا گیا ہے۔
- عربی وفارسی عبارتوں اور اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔
- ماخذ ومراجع کی فہرست مطابع وسنِ طباعت کے ساتھ تیار کی گئی ہے۔
- آخر میں فہرستِ مضامین بنائی گئی ہے۔

اگر اس رسالہ میں کوئی غلطی پائیں تو اسے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ہماری غلطی قرار دیتے ہوئے تحریری طور پر ہماری اصلاح فرمائیں، اس رسالہ کے مصنف مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات تلاش کے باوجود نہیں مل سکے نیز چند تخاریج بھی کتابوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے چھوڑنا پڑیں اگر کسی کے پاس ان کے بارے میں کچھ بھی معلومات ہوں تو ہمیں آگاہ فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اضافہ کردیا جائے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم بوسیلۂ آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس رسالہ سے ہر ایک کو نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

الوداع ماہِ رمضان

رسالہ لکھنے کی وجہ

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو الوداعی خطبہ پڑھا جاتا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے نہ صرف جائز بلکہ اچھا کام ہے لیکن بعض لوگ شیطانی وسوسوں کا شکار ہو کر اس جائز کام کو بدعت قرار دے کر ناجائز کہنے لگے لہٰذا عام لوگوں کو درست شرعی مسئلہ بتانے اور انہیں شیطانی وسوسوں سے بچانے کی غرض سے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔

خطبۃ الوداع پڑھنے کا شرعی حکم

خطبۃ الوداع یعنی الوداعیہ اشعار میں جب معنی کے اعتبار سے کوئی برائی نہ ہو تو اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اسے فرض وواجب سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی اسے ضروری نہ جانتے ہوئے پڑھتا ہے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے اور اسے جائز سمجھتے ہوئے کوئی نہیں پڑھتا تو اسے برا بھلا نہ کہا جائے، اور کوئی بھی اہل علم اسے فرض وواجب نہیں کہتا نیز اس کے ذریعے لوگوں کو اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کی توفیق ملتی ہے اور یہ عمل شریعت کی رو سے بھی پسندیدہ ہے۔

خطبۃ الوداع پڑھنے کا فائدہ

اس سے لوگوں کو خاص رقت والی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور لوگ روتے اور آنسو بہاتے ہیں اور ان میں بڑی تعداد اپنے گناہوں پر نادم ہوتی اور توبہ کرتی ہے جیسا کہ عام مشاہدہ اس پر گواہ ہے۔

اگرچہ اس خطبہ کا ثبوت نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے مقدس دور سے نہیں ملتا پھر بھی شریعت کی نظر میں یہ ایک اچھا کام ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ عمل شریعت کے کسی قانون کے خلاف نہیں نیز اس کے اغراض ومقاصد میں لوگوں کی اصلاح کا عظیم مقصد بھی موجود ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ[1] یعنی جس شخص نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا پھر بعد میں اس طریقے کو اپنایا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس نیک کام جاری کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

الوداعی اشعار کے جائز ونیک عمل ہونے پر چند دلائل

جب کسی چیز کے کرنے یا اس سے رکنے کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو تو علماء وفقہائے کرام کی بہت بڑی تعداد کا نظریہ یہ ہے کہ ایسی چیزیں مباح یعنی جائز ہوتی ہیں۔[2] اللہ پاک کا فرمان ہے: وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ترجمۂ کنز الایمان: اور بھلے کام کرو اس اُمید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔(پ17،الحج:77)تو یہ اشعار پڑھنا بھی یقیناً بھلائی اور نیکی کا کام ہے کیونکہ ان کو پڑھ کر اور سن کر ایک خاص رقت حاصل ہوتی ہے اور دل نرم پڑتا ہے جس کے نتیجے میں انسان گناہوں سے توبہ کرتا اور نیکیوں کی طرف بڑھتا ہے جو کہ نیک کام ہے۔

یہ اشعار وعظ ونصیحت پر بھی مشتمل ہیں اور وعظ ونصیحت کرنے کا حکم تو خود قرآنِ

1... "مسلم"، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة...الخ، ص1102، حدیث:6800۔

2... "ردالمحتار"، کتاب الطہارۃ، مطلب: المختار أنّ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ، 1 234۔

پاک میں موجود ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ترجَمۂ کنز الایمان: تو تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے۔ (پ30، الاعلیٰ:9)

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ رمضان المبارک کا مقدس مہینا اللہ پاک کی نشانیوں میں سے ہے۔[1] اور اللہ پاک کی نشانیوں کی تعظیم اور ان کا احترام دل کی پرہیز گاری کی دلیل ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ترجَمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔ (پ17، الحج:32) اور الوداع کے ذریعے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے شعبان المعظم کے آخر میں استقبالِ رمضان کا خطبہ پڑھنا، اس کی آمد کی خوشخبری دینا اور اس کی عظمت بیان فرمانا ثابت ہے[2] اور جب یہ سب نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ثابت ہے تو اس کے جانے پر حسرت وافسوس کرنا اور الوداعی اشعار کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اسی طرح آمدِ رمضان اور رخصتِ رمضان دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں تو جس طرح اس کے آنے پر خوش ہونا اور اس کا استقبال کرنا شریعت کو پسند ہے اسی طرح اس کی رخصت پر حسرت وندامت ظاہر کرنا بھی شریعتِ مطہرہ کو پسند ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے استقبالِ رمضان کے مبارک عمل نے گویا ہمیں اس کے الوداع کی طرف رہنمائی کر دی۔

دنیا بھر کے علمائے اہلسنّت کا رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو الوداع پڑھنا اس کے جائز ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ روایتوں میں ہے: مَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا

۱... "شرح النووی علی مسلم"، کتاب الایمان، باب کل مؤمن مسلم...الخ، الجزء الاول، 1/148۔

۲... "شعب الایمان"، باب فی الصیام، فضائل شہر رمضان، 3/305، حدیث:3608۔

فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ [1] جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ پاک کے یہاں بھی اچھا ہے۔

کئی سو برس پہلے کے جید علمائے کرام رحمہم اللہ سے الوداعی خطبہ کا ثبوت

علامہ ابوالفرج عبد الرحمن ابن جوزی رحمۃُ اللہِ علیہ (وفات 597ھ) نے "وداعِ رمضان" کے نام سے پورا رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

علامہ حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃُ اللہِ علیہ (وفات 795ھ) نے اپنی کتاب "لطائف المعارف" [2] میں پورا ایک باب "وداعِ رمضان" قائم فرمایا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃُ اللہِ علیہ (وفات 974ھ) نے "اَلنُّخَبُ الْجَلِیْلَۃُ فِی الْخُطَبِ الْجَزِیْلَۃ" [3] نام سے ایک کتاب لکھی جس میں "اَلْخُطْبَۃُ الرَّابِعَۃُ لِوَدَاعِ شَھْرِ رَمَضَانَ" کے نام سے عنوان لکھ کر اس میں فراقِ رمضان کے متعلق کچھ یوں فرماتے ہیں: اے روزوں، تراویح، نوافل اور روشنیوں کے مہینے تجھ پر سلام ہو، ہم تجھے الوداع کہتے ہیں۔

الوداعی خطبہ سے متعلق بعض وسوسے اور ان کے جوابات

پہلا وسوسہ

وداعِ رمضان پر مشتمل خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمۃُ اللہِ علیہم کسی سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بدعت و گمراہی ہے۔

1... "مسند احمد"، مسند عبد اللہ بن مسعود، 2/16، حدیث: 3600۔

2... "لطائف المعارف"، ص 237-249۔

3... "النخب الجلیلۃ فی الخطب الجزیلۃ"، الخطبۃ الرابعۃ لوداع شھر رمضان، ص 127۔

جواب

اگر اس دلیل کو درست مانا جائے تو وداعِ رمضان کے خطبہ کے علاوہ دیگر خطبوں پر جو بڑے بڑے علمائے کرام نے کتابیں لکھیں اور خطباءِ کرام اپنے خطبوں میں جو اضافے کرتے ہیں وہ سب بھی ان مقدس ہستیوں سے ثابت نہیں حالانکہ وہ رائج ہیں[1] اور نہ کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے نہ اسے بدعت و گمراہی کہتا ہے تو پھر صرف الوداعی خطبہ پر ہی اعتراض کیوں!

جمعۃ المبارک اور دیگر خطبوں سے اصل مقصد لوگوں کو اللہ پاک کے انعامات یاددلانا، اس کے عذاب سے ڈرانا، شریعت کے احکامات بتانا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا ہے تو جس خطبہ میں بھی یہ چیزیں ہونگی تو خطبہ کا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا چاہے اس خطبہ کے الفاظ اور معنی نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم، صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہُ عنہم سے ثابت ہوں یا نئے بنائے گئے ہوں، لہٰذا ہر وہ خطبہ جو شرعی مقاصد پر پورا اترتا ہو وہ جائز ہے اور الوداعی خطبہ بھی اس میں شامل ہے۔

دوسرا وسوسہ

رمضان المبارک کے جانے پر حسرت و افسوس کا اظہار کرنا غیر شرعی کام ہے کیونکہ روزہ افطار کرنا خوشی اور مسرت کا ایک سبب ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں بھی ہے۔[2]

1... اس کی ایک مثال حضرت علامہ ابن حجر رحمۃُ اللہِ علیہ کی کتاب "اَلْمُنْتَخَبُ الْجَلِیْلَۃُ فِی الْخُطَبِ الْجَزِیْلَۃ" ہے جس میں آپ نے ہر اسلامی مہینے کے ہر جمعہ کے الگ الگ خطبے تحریر فرمائے جو یقیناً آپ کے اضافے ہیں۔

2... "مسلم"، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، ص447، حدیث:2706۔

جواب

حدیثِ پاک میں افطار کے وقت جس فرحت و خوشی کا ذکر ہے اس سے مراد انسانی عادت ہے کہ اس کی طبیعت کو خوشی ہوتی ہے، شرعی فرحت مراد نہیں کیونکہ نیک لوگوں کو تو روزے اور دیگر عبادتوں کی بجا آوری میں فرحت حاصل ہوتی ہے اور ان بابرکت دنوں کے گزرنے پر انہیں دکھ اور ملال ہوتا ہے۔

تیسرا وسوسہ

پانچوں ارکانِ اسلام برابر ہیں پھر صرف رمضان المبارک کے ہی گزرنے پر افسوس کیا جاتا ہے دیگر پر نہیں؟

جواب

زکوٰۃ کی ادائیگی کا شریعتِ مطہرہ کی طرف سے کوئی وقت خاص نہیں اور نہ ہی تمام لوگوں کو ایک ساتھ ادائیگی کا شریعت نے پابند کیا ہے لہٰذا اس پر حسرت وافسوس نہیں کیا جاسکتا جبکہ رمضان المبارک کا مہینا سب مسلمانوں کیلئے ایک ہی ہے، اس ماہِ مبارک کی بے شمار برکتیں ہیں تو اس کا ہر گزرتا، دن افسوس وحسرت کا باعث ہے، کیا عجب اگلا رمضان نصیب ہو یا نہ ہو اور ہر نماز کا وقت مقرر ہے نیز نماز کے پورے وقت میں عام مغفرت کی بشارت رمضان المبارک جیسی نہیں ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ حج کے ایام بہت برکت والے ہیں لیکن افعالِ حج کی ادائیگی صرف حاجیوں پر لازم ہے دیگر لوگوں پر نہیں جبکہ روزہ ایسی عبادت ہے جو سب مسلمانوں پر یکساں فرض ہے۔

چوتھا وسوسہ

خطبۂ الوداع کی حدیث من گھڑت ہے اور من گھڑت حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب

جس خطبۃ الوداع کو علمائے کرام نے من گھڑت قرار دیا ہے[1] اس سے مراد وہ خطبہ ہے جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی وفات ظاہری سے کچھ پہلے منبر پر فرمانے اور اسکے بعد کوئی خطبہ ارشاد نہ فرمانے کا دعوی کیا گیا ہے اور اسے ”خطبۃ الوداع“ کا نام دیا گیا ہے، ایک جیسے نام کی وجہ سے رمضان المبارک کے الوداعی خطبہ پر اُس من گھڑت خطبہ کا حکم لگانا کسی طرح بھی درست نہیں، مختصر یہ کہ الوداعی خطبہ جائز ہے البتہ اگر علمائے کرام یہ محسوس کریں کہ عوام اسے فرض وواجب سمجھنے لگے ہیں تو عوام کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے کبھی کبھار اس کو ترک بھی کر دیں۔

خطبۃ الوداع نوحہ نہیں ہے

پانچواں وسوسہ

خطبۃ الوداع کے الفاظ کے نتیجے میں لوگوں کا رونا نوحہ ہے اور نوحہ کی ممانعت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

جواب

”نوحہ“ کا معنی لغت کی کتابوں میں ”رونے“ کے ملتے ہیں اب چاہے وہ رونا آواز کے ساتھ ہو یا بغیر آواز کے۔

شریعت کی رو سے نوحہ یعنی میّت کے اوصاف بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور آواز سے رونا جس کو ”بَین“ کہتے ہیں یہ حرام ہے اور حدیثوں میں اسی طرح کے رونے سے ممانعت ہے

1... "اللآلی المصنوعۃ"، کتاب المواعظ والوصایا، 2 / 311۔

اسی وجہ سے ترمذی شریف کی روایت میں "صَوْتٍ عِنْدَ مُصِیْبَۃٍ" کے الفاظ ہیں جس سے مراد کسی شخص کے انتقال پر بلند آواز سے رونا ہے۔

اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر روئے تو آپ کے صحابی حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دلی خدشے کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کیا آپ نے ہمیں رونے سے منع نہیں فرمایا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے دو آوازوں سے منع کیا تھا: (1) مصیبت کے وقت آواز نکال کر منہ نوچنے اور گریبان پھاڑنے سے (2) مزمار سے۔ صحابیِ رسول نے صرف رونے کو نوحہ سمجھا مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے واضح فرمادیا کہ میت پر صرف رونا نوحہ نہیں بلکہ آواز کے ساتھ رونا اور منہ نوچنا، گریبان پھاڑنا "نوحہ" ہے۔[1]

الوداعی خطبہ اور الوداعی اشعار پڑھنے والوں میں سے کوئی بھی عموماً نوحہ والی حالت نہیں اپناتا بلکہ الوداعی الفاظ کہتے ہوئے صرف آنسو بہاتے ہیں اور یہ منع نہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنے شہزادے کے وصال پر جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے اس میں "فراق" کا لفظ موجود ہے نیز روایتوں سے آنسو مبارک بہانا بھی ثابت ہے۔ نیز الفراق اور الوداع کے الفاظ استعمال کرنے کو بے صبری بھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ چیخنا چلانا، بال نوچنا، سینہ پیٹنا گریبان پھاڑنا یہ چیزیں بے صبری اور نوحہ ہیں جن کے بارے میں انبیائے کرام کے سردار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو گریبان پھاڑے، منہ پیٹے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے (یعنی نوحہ کرے) وہ ہم میں سے نہیں۔[2] الوداع میں ان سے کوئی بھی کام نہیں ہوتا۔

1... "شرح معانی الآثار"، کتاب الکراہیۃ، باب البکاء علی المیت، 4/107-108۔

2... "بخاری"، کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود، 1/439، حدیث:1297۔

بدعت کے معنی اور اس کا درست مفہوم

ڈکشنری میں بدعت کے معنی "نئی چیز" کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح (ٹرمنالوجی) میں اس کے دو معنی ہیں:

(1) وہ نئی چیز یا نیا کام جو نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری زندگی کے زمانہ میں نہ ہو۔[1]

(2) وہ نئی چیز یا نیا کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتِ مبارکہ کے خلاف ہو یا اس سے ٹکرائے۔[2]

بدعتِ سیئہ کے بارے میں فرامینِ مصطفی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

(1) كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[3] ہر بدعت گمراہی ہے۔

(2) مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[4] جو کوئی ہمارے دین میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو دین سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

اچھی اور بری بدعت کے بارے میں علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ارشادات

امام شافعی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: بدعتِ سیئہ اس نئے کام کا نام ہے جو قرآن و حدیث یا اجماع کے خلاف ہو۔[5]

امام غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں: ممنوع وہ بدعت ہے جو سنت کے

1... "عمدۃ القاری"، کتاب العمرۃ، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، 7/405، تحت الحدیث: 1776۔

2... "احیاء علوم الدین"، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، الباب الثانی فی ظاہر آداب التلاوۃ، 1/366۔

3... "نسائی"، کتاب صلاۃ العیدین، کیف الخطبۃ، ص274، حدیث: 1575۔

4... "مسلم"، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ... الخ، ص731، حدیث: 4492۔

5... انظر "سیر اعلام النبلاء"، 1539-الامام الشافعی... الخ، 8/408۔

خلاف ہو اور اس سے کسی سنت کا رد ہو۔[1]

علامہ علی قاری رحمۃُ اللہِ علیہ "شرح عین العلم" میں لکھتے ہیں: ہر نئی چیز ممنوع نہیں ہے بلکہ ممنوع وہ کام ہے جو کسی ثابت شدہ سنتِ مبارکہ کے خلاف ہو۔[2]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری وفات کے بعد جو نیا کام سنت کے اصول و قواعد کے موافق ہو اور اس پر قیاس کرکے جاری کیا گیا ہو وہ بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بدعت ہے۔[3]

حدیثِ پاک میں موجود لفظ "مَا لَيْسَ مِنْهُ" (جو دین سے نہ ہو) سے مراد

عِلْم حدیث کے ماہر علامہ علی قاری رحمۃُ اللہِ علیہ "مَا لَيْسَ مِنْهُ" کی وضاحت میں لکھتے ہیں: دینِ اسلام میں ایسی بات جس کا قرآن و حدیث سے ظاہری اور باطنی کسی بھی طرح ثبوت نہ ملتا ہو تو وہ بات مردود ہے۔[4]

بدعت کے بارے میں اہم قاعدہ اور اصول

"دین" اللہ پاک کے اس قانون کو کہتے ہیں جو اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچایا اور یہ قانونِ ہدایت ہر قوم اور ہر ملک کے لئے زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتا رہا ہزارہا سال کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری جلوہ گری ہوئی اور آپ نے اس خدائی قانون کو مکمل فرمایا اور قیامت تک

1... "احیاء علوم الدین"، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، الباب الثانی فی ظاہر آداب التلاوۃ، 1/366۔

2... "شرح عین العلم وزین الحلم"، الباب التاسع، 1/510۔

3... "اشعۃ اللمعات"، کتاب الایمان، باب الاعتصام والسنۃ، 1/135۔

4... "مرقاۃ المفاتیح"، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، 1/366، تحت الحدیث:140۔

پیش آنے والے مسائل کیلئے اصول ارشاد فرما کر مکمل راہ نمائی فرمادی، لہٰذا اب جو بھی نیا کام قرآن، حدیث، اجماع یا شریعتِ مطہرہ کے مقرر کردہ قواعد کے خلاف ہوگا وہ بلاشبہ بدعتِ سیئہ ہوگا اور ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' میں داخل ہوگا۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ خطبہ کا جن چیزوں پر مشتمل ہونا ضروری ہے وہ تمام چیزیں الوداعی خطبہ میں موجود ہیں، الفاظ کی زیادتی کا ثبوت دیا جاچکا ہے نیز اس میں نوحہ کی بھی کوئی صورت نہیں اور اسے شرعی اصولوں کی تائید بھی حاصل ہے تو اب اسے بدعت وگمراہی کیسے کہا جاسکتا ہے! اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَامِدًا وَ مُصَلِّیًا وَ مُسَلِّمًا

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رَب[1]

ناظرینِ کرام! آپ کو یاد ہو گا کہ رسالہ "دَافعِ البُہتان" اور "قاطعُ النِزاع" کا جواب باوجود قلتِ وقت اور کثرتِ کار ساتویں مہینہ شائع کر دیا گیا تھا لیکن "قاطع الورید" (جسکی اشاعت کو غالباً دو برس سے زیادہ زمانہ گزرا) کی طرف اس وقت تک ہم نے رُخ بھی نہیں کیا، ممکن ہے کہ آپ لوگوں کو ہمارے اس طرزِ عمل سے کچھ حیرت ہو اس واسطے اصلِ حقیقت آپ حضرات پر آشکار کر دیتے ہیں۔

1۔ رسالہ "تصفیۃ الاذہان" کے التماس میں ہم نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ فریقِ مخالف کے جو صاحب جواب لکھنا چاہیں وہ دو باتیں ملحوظِ خاطر رکھیں:

اولاً: تہذیب و تمیز کے دائرہ سے قدم باہر نہ رکھیں۔

ثانیاً: اپنا نام صاف و صریح لکھیں۔

غالباً رسالہ "قاطع الورید" آپ نے پڑھا ہو گا لیکن میرا خیال ہے کہ آپ پورا رسالہ پڑھ نہ سکے ہوں گے اس کے دس پانچ صفحات کے مطالعہ سے آپ کی شرافت و تہذیب کو ایسی غیرت آئی ہو گی کہ فوراً اسے صندوق یا طاق کے حوالہ کر دیا ہو گا، سب و شتم طعن و تشنیع گالی گلوچ سے ممکن ہے کہ اس کی کوئی سطر خالی ہو مگر کوئی صفحہ خالی نہ ہو گا۔

2۔ تحریر اور رسالہ بازی کا سلسلہ ایسا طولِ طویل (یعنی ایسا لمبا) ہے کہ کبھی عُمر بھر ختم نہیں

---

1 ... ہم اللہ پاک سے اَدَب کی توفیق کے طلبگار ہیں۔ بے اَدَب، رب تعالٰی کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

ہو سکتا۔ ہر شخص اُلٹا سیدھا اَناپ شناپ (یعنی آئیں بائیں) جو اب لکھ کر عوام میں مصنف بننے کی عزت حاصل کر سکتا ہے۔ رہا اصلی جواب لکھنا وہ ہر شخص کا کام نہیں، لکلّ فن رجال۔

ان دو خیالوں سے میں نے اس کی طرف ایک منٹ کے لیے توجہ نہیں کی لیکن بعض دوستوں کا سخت اصرار ہے کہ ایک نہایت مختصر مہذب اور متین جواب لکھ جانا چاہیے تاکہ مولوی اسحاق صاحب کے حواریین کو اس کا موقع نہ رہ جائے کہ "قاطع الورید" ایک ایسا لاجواب رسالہ ہے جس کا کسی سے آج تک جواب نہیں ہو سکا۔

مجبوراً میں ان کی تعمیلِ حکم کے لیے آمادہ اور مستعد ہوا اور اس تمہیدی مضمون میں صاف صاف اس کا اعلان کرتا ہوں کہ مولوی اسحاق صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات نہ میرے اصل مخاطب ہیں نہ ان سے کوئی توقع ہے اور نہ ان کی گالیاں سننے کی خواہش۔ میرے مخاطب صرف منصف مزاج حضرات ہیں جو اپنے طبعِ سلیم میں جوہرِ شرافت اور متانت رکھتے ہیں اور وہی اس کا بھی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ "قاطع الورید"، "کشف القناع" کا اصلی اور واقعی جواب ہے یا گالیوں کا مجموعہ۔ لیکن مصنفِ "قاطع الورید" کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے ہاتھ میں بھی زبردست قلم ہے اور ہمارے منہ میں ان سے تیز بولنے والی زبان ہے اگر ہم جواب ترکی بہ ترکی دینے پر مستعد ہو جائیں تو ان کا ناطقہ بند ہو جائے گا اور پھر میاں صاحب درِ عدالت پہ جبھہ سائی کرتے نظر آئیں گے مگر ہماری تہذیب ہماری شرافت ہماری انسانیت اس کی اجازت نہیں دیتی ایک بڑا لطف یہ ہے کہ مولوی اسحاق صاحب اور تمام حضرات دیوبند جو کچھ چاہیں رسالوں میں لکھ دیں دوسروں پر حملہ کریں دوسروں کو گالیاں دیں وہ سب عین تہذیب ہے لیکن مصنف "کشف القناع" اگر کہیں بہ طورِ معارضہ اور جواب کے کوئی جملہ استعمال کرے تو وہ اعلیٰ درجہ کا مجرم اور خطاوار ہے ع

مُحتسب سیر کو جایا کرے میخانوں کی   ہم اگر جائیں تو اک شہر میں غوغا ہو جائے

بہر حال مصنفِ "قاطع الورید" نے جو کچھ ہم کو اور ہمارے اکابر بزرگوں کو لکھا ہے اور قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ محمد عبد السبحان صاحب اور فاضلِ محترم حضرت مولانا محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم پر جس قدر افتراء اور بہتانات باندھے ہیں ہم سب کو نظر انداز کرتے ہیں اور آیتِ کریمہ: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا[1] (پ۱۹، الفرقان:۷۲) پر عمل کرتے ہوئے اپنے اصلی فرض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ناظرینِ کرام کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ میں اخیر جمعہِ رمضان میں خطبۃ الوداع پڑھنے کو جائز اور مُباح کہتا ہوں اور مصنفِ "قاطع الورید" اس کو ناجائز اور حرام کہتا ہے میرے ان کے درمیان میں یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے دلائلِ جواز رسالہ "کشف القناع" میں صاف صاف لکھ دیئے گئے ہیں جن کا جواب آج تک نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے اب بہترین صورت فیصلہ کی یہ ہے کہ ہم اور آپ دونوں دوسرے علمائے کرام کی تحریر اور فتویٰ کی طرف توجہ کریں اور اکابر علما جس کی رائے کی تائید کریں اُس کے دلائل اور اُس کی رائے کو صحیح سمجھیں۔

مولانا عبد الحی صاحب اور دیگر علمائے کرام کی رائے مبارک

جناب مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی مرحوم جن کے عالم زبردست اور وسیع العلم ہونے کے مولوی اسحاق صاحب بھی قائل ہیں اور جابجا ان کے رسالہ "ردع الاخوان" کی عبارتیں نقل کی ہیں اور جو ایک شخصِ ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی خاص تعلق نہ ہم سے ہے اور نہ علماءِ دیوبند سے، وہ اپنے رسالہ "ردع الاخوان"[2] میں خطبۃ

1... ترجمۂ کنزالایمان: اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔

2... "مجموعہ رسائل لکنوی"، رسالہ: ردع الاخوان، 2/ 369-374۔

الوداع کے متعلق موافقین اور مخالفین دونوں کے دلائل پر جرح کرتے ہوئے اپنی رائے لکھتے ہیں ان سب کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، اسی سلسلہ میں مولوی اسحاق صاحب کے تمام دلائل کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے گی۔

فرقہ اولیٰ نے خطبہ وداعیہ کے منع کرنے میں سختی کی ہے اور کئی وجہ سے اس کو گمراہی کہا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا خطبہ جو کلمہ وداع اور فراق پر شامل ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تابعین اور تبعِ تابعین کسی سے منقول نہیں ہے اور جس چیز کا ثبوت قرونِ اولیٰ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس دلیل میں یہ کمزوری ہے کہ لفظِ بدعت جو پہلے کبریٰ میں واقع ہے اگر اس سے بدعتِ لغویہ مراد لی جائے اور قیاس کے کبریٰ ثانیہ میں جو لفظِ بدعت ہے اس سے بدعتِ شرعیہ مراد لی جائے تو حدِ اوسط مکرر نہیں ہے اور اگر قیاس کے کبریٰ ثانیہ میں بھی بدعتِ لغویہ مراد لی جائے تو کبریٰ کا کلیہ اور عام ہونا ممنوع ہے کیونکہ بدعتِ شرعیہ کا ہر فرد ضلالت ہے اور بدعتِ لغویہ کی پانچ قسمیں ہیں: (1)مباحہ (2)واجبہ (3)محرمہ (4)مکروہہ (5)مندوبہ۔ اور اگر کبریٰ اول میں بدعت سے مراد بدعتِ شرعیہ ہے تو وہ تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ اگر یہ دلیل کامل سمجھی جائے تو خطبہ وداعیہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر خطبہ جس کو علما نے تصنیف کیا ہے اور خطبا اس کو پڑھتے ہیں جو نئی نئی عبارتوں پر مشتمل ہے وہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، تابعین اور تبعِ تابعین سے منقول نہیں ہے۔

حلِ مقام یہ ہے کہ اصل وضع خطبہ کی انعاماتِ الٰہیہ کی تذکیر اور عذابِ الٰہی کی تخویف کے لیے ہے اور اس سے مقصود رغبت دلانا اور ڈرانا اور تعلیمِ احکامِ الٰہی ہے پس ہر ایسا خطبہ جو امورِ مذکورہ پر شامل ہو اس سے غرض حاصل ہو جائے گی خواہ اس کے معنی اور الفاظ ماثورہ ہوں یا نئے بنائے گئے ہوں۔ ایسے امور میں اختراع موجبِ گمراہی نہیں ہے ورنہ خطبہ انہیں خطبوں میں منحصر ہو جائے گا جو اصحابِ قرونِ ثلاثہ سے منقول ہوں اور اس کا کوئی عالم قائل نہیں ہے۔

دوسری وجہ ممانعت کی وہ ہے جس کو بعض افاضلِ عصر نے اپنے رسالہ "موعظہ حسنہ" کے مَنْہِیَّہ میں ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وداعِ رمضان پر حسرت اور افسوس ظاہر کرنا غیر مشروع ہے کیونکہ افطارِ صوم فرحت اور مسرت کا ایک سبب ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہے۔ اس دلیل میں یہ کمزوری ہے کہ حدیث شریف میں افطار کے ساتھ جس فرحت کا ذکر ہے وہ فرحتِ عادیہ طبعیہ ہے فرحتِ شرعیہ نہیں ہے، نفوسِ قدسیہ کو اصل فرحت صوم اور دیگر عباداتِ الٰہیہ میں حاصل ہوتی ہے اور ایامِ برکت کے گزرنے سے ان کو حزن و ملال ہوتا ہے...الخ۔

تیسری وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ ارکانِ پنجگانہ برابر ہیں اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف رمضان کے جانے پر غم کا اظہار کیا جائے اور دوسرے ارکان کے گزرنے پر رنج و افسوس نہ کیا جائے؟ اس دلیل میں یہ کمزوری ہے کہ زکوٰۃ کی ادا کا کوئی وقت شرعاً معین نہیں ہے اور نہ ایک وقت میں سب کی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور نہ ان کے اوقاتِ ادا کی کوئی برکت شرعاً مقرر ہے اس لیے اس پر رنج و حزن نہیں ہو سکتا بخلاف رمضان کے کہ اس کا ایک خاص وقت تمام مکلفین پر معین ہے اور اس کی برکتیں عظیم ہیں پس اس کا گزرنا باعثِ حسرتِ

عظیمہ ہے اور دوسرے رمضان کا پانا امرِ موہوم ہے۔ بخلاف نماز کے کہ اس کے تمام اوقات عمومِ مغفرت میں مثلِ رمضان کے نہیں ہیں اور اس کے دوسرے وقت کا پانا امر موہوم نہیں ہے بے شبہ اوقاتِ حج متبرک ہیں لیکن یہ عبادت ایک وقت میں تمام مکلفین کے لیے نہیں ہے بلکہ اہلِ مکہ اور دوسرے لوگ جو باہر سے وہاں گئے ہیں ان کے لیے ہے۔

دوسرے فرقے نے خطبۃ الوداع کی تجویز میں مبالغہ کیا ہے اور اس کا التزام کیا ہے اور اس کا اس خطبہ پر قیاس کیا ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیرِ شعبان میں پڑھا تھا۔ اس میں یہ کمزوری ہے کہ کسی شئے کی بشارت اور اس کی قربت کی وجہ سے اظہارِ سرور اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کے گزرنے پر حسرت اورافسوس ظاہر کیا جائے۔والإنصاف أنّ قراءۃ خطبۃ الوداع إذا کانت مشتملۃ علی معانٍ صحیحۃ وألفاظ لطیفۃ لم یدلّ دلیل علی منعھا ولیس فیھا ابتداع وضلالۃ اور انصاف یہ ہے کہ خطبۃ الوداع کا پڑھنا جب معانیِ صحیحہ اور الفاظِ لطیفہ پر مشتمل ہو تو اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس میں بدعت اور گمراہی ہے۔

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ طریقۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے خصوصاً ایسے زمانہ میں جب کہ التزامِ مالا یلزم پایا جائے اور علما کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے خطبوں کے التزام کو ترک کریں...الخ۔

ناظرینِ کرام خوب غور سے ملاحظہ فرمائیں، مولانا عبدالحی صاحب کی عبارتوں کا خلاصہ ترجمہ کرکے ہم نے آپ کے سامنے پیش کردیا ہے۔ خطبۃ الوداع کے متعلق اصلِ بحث یہ ہے کہ اسکا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو جنابِ موصوف نے لفظِ انصاف کی سرخی سے صاف صاف ظاہر کردیا کہ اس کا پڑھنا جائز ہے اوراس میں بدعت ضلالت اور گمراہی

نہیں ہے۔ یہی ہمارا مطلب اور مقصود ہے جو روزِ روشن سے زیادہ ظاہر ہو گیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ اَولیٰ کونسا خطبہ ہے اس کی بحث نہیں ہے اور نیز ہم خطبہ وداع کو واجب فرض اور ضروری نہیں سمجھتے پڑھو پڑھو نہ پڑھو نہ پڑھو لوگوں کو چونکہ اس میں خاص لطف آتا ہے بہت سے لوگ روتے اور آنسو بہاتے ہیں بہت سے لوگ تا امکان گناہوں پر نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں اور ان کے حال کے مناسب سمجھ کر پڑھنے کو کہا جاتا ہے ورنہ کوئی عالم نہ اس کو واجب کہتا نہ فرض بلکہ جائز کہتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ منکرین کی طرف سے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ہر ایک کو مولانا عبد الحی صاحب نے خود رَد کر دیا صرف نوحہ والی دلیل جو مولوی اسحاق صاحب کے مختصات سے ہے باقی رہ گئی ہے اس کا حال بعد میں معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مصنف "قاطع الورید" کی کارروائی یہ ملاحظہ فرمایئے کہ مولانا عبد الحی صاحب مرحوم کی عربی عبارت جس کو ہم نے پہلے لکھا ہے اس کا ترجمہ کر کے فرماتے ہیں کہ پس الوداع والفراق رو رو کر چلا چلا کر پڑھنا جب شرعاً صحیح نہیں ہے تو یہ خود ہی خارج ہو گیا۔ واہ جی مصنف صاحب واہ! خیر کتاب لکھ کر پانچویں سواروں میں آپ بھی داخل ہو گئے اور استاد کا نام تو روشن ہو گیا یہ شرف آپ کے لیے کیا کم ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ مولوی عبد الحی صاحب کی کس عبارت کا یہ ترجمہ ہے؟ ایسا صریح کذب! بلکہ مولوی صاحب اس کے خلاف لکھتے ہیں۔ اس کا فیصلہ بھی مولانا عبد الحی صاحب سے خود ہی کر لیجئے مولانا کا خطبہ چھپا ہوا موجود ہے فرنگی محل ایک کارڈ لکھ کر ویلیو منگا لیجئے، ورنہ ہمارے یہاں آیئے ہم آپ کو دکھلا دیں مولانا نے خود جو خطبہ وداعیہ لکھا ہے وہ غالباً آپ کے نزدیک بھی معانِی صحیحہ اور الفاظِ لطیفہ پر شامل ہو گا اس میں جا بجا اَلْوَدَاع اَلْوَدَاع لِشَھرِ رَمَضَانَ اَلْفِرَاقُ اَلْفِرَاق لِشَھرِ رَمَضَانَ یَاعَجَبَاہُ یَا اَسَفَاہُ وَاحَسْرَتَاہُ

وَاخَيْبَتَاهُ... الخ[1] کے الفاظ موجود ہیں اب فرمایئے خود اُن کی تحریر اور اُن کے عمل سے الفراق اور الوداع کا پڑھنا جائز ہوا یا نہیں اور جس کو آپ خارج سمجھتے تھے وہ داخل ہوا یا نہیں۔

نقل فتویٰ مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری مرحوم

سوال: الوداع بروز جمعہ اخیرہ رمضان المبارک کے پڑھنا جائز ہے یا حرام؟ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا

الجواب واللہ سبحانہ الموفق للصواب

پڑھنا الفاظِ تودیع کا مشعر ہے حسرت سے اوپر گزر جانے رمضان شریف کے یہ مشتمل ہے اوپر ترقیقِ قلوب کے اور موعظِ حسنہ کے اور اس کو الوداع کہتے ہیں اخیرِ جمعہِ رمضان میں جائز ہے اس لیے کہ موعظہ اور تذکیر خطبہِ جمعہ میں مسنون اور بلحاظ خصوصیت کے پڑھنا اس کا جائز ہے، قال العلّامة الشامی في حاشيته على "الدر المختار"[2]: ويبدء قبل الخطبة الأولى بالتعوّذ سرّاً ثمّ بحمد الله تعالى والثناء عليه والشهادتين والصلاة على النبيّ صلى الله عليه وآله وسلم والعظة والتذكير والقراءة، انتهى والله سبحانه أعلم وعلمه أتمّ[3].

العبد المجیب محمد ارشاد حسین مجددی عفی عنہ

1... ماہِ رمضان کو الوداع! شہرِ رمضان سے جدائی ہے! وائے تعجب، ہائے افسوس، حسرت وناکامی... الخ۔
"مجموعہ رسائل لکنوی"، الخطب اللکنویۃ، خطبۂ وداع رمضان، 2/100-101، ملتقطاً۔

2... "ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، 3/24۔

3... علامہ شامی رحمۃُ اللہِ علیہ نے "در مختار" کے حاشیہ میں فرمایا: پہلے خطبہ سے پہلے آہستہ آواز میں اَعُوْذُ بِاللہ کہے اس کے بعد اللہ پاک کی حمد وثنا کرے اور اللہ پاک کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالت کی گواہی دے اور ان پر درود بھیجے پھر وعظ ونصیحت اور قرآنی آیات بیان کرے۔

نقل جواب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب دَامَتْ بَرَکَاتُہُم

خطبۃ الوداع کا پڑھنا جائز ہے اس کے چند دلائل سر دست پیش کرتا ہوں:

اولاً: اصل اشیا میں اباحت ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے اور اپنے محل میں محقق، قال العلامۃ الشامی فی "ردّ المحتار"[1]: صرح فی "التحریر" بأنّ المختار أنّ الأصل الإباحۃ عند الجمھور، انتھی[2].

ثانیاً: اس میں ترقیقِ قلوبِ مومنین مشاہد و محسوس ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کی خیریت میں شبہ نہیں پس خطبۃ الوداع جملہ امورِ خیر میں داخل ہوا اور اس وجہ سے قولہ تعالیٰ: وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ[3] (پ17، الحج:77) اس کو شامل ہوا۔

ثالثاً: اس کا تذکیر ہونا بھی متعین ہے جیسا کہ مولائی و مرشدی کے فتویٰ سے ظاہر و روشن ہے اور تذکیر کا مامور بہ ہونا آیۂ کریمہ: فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى[4] (پ30، الاعلیٰ:9) سے مبر ہن۔

اور رقتِ قلوب اعظم منافع سے ہے اور جب شرط متحقق ہے تو مشروط کے مامور بہ ہونے میں کلام نہیں اور ادنیٰ امر کا اباحت اور خیریت کا استحباب ہے۔

رابعاً: جب بیانِ مذکور سے انواع ذکریٰ میں داخل ہوا تو اہلِ ایمان کے منتفع ہونے میں اس سے

1... "ردالمحتار"، کتاب الطہارۃ، مطلب: المختار انّ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ، 1/234۔

2... علامہ شامی رحمۃُ اللہِ علیہ نے "ردالمحتار" میں فرمایا: امام ابن ہمام کی کتاب "التحریر" میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ جمہور علمائے کرام کے مختار قول کے مطابق اشیاء میں اصل اباحت ہے، انتہی۔

3... ترجمۂ کنز الایمان: اور بھلے کام کرو اس اُمید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔

4... ترجمۂ کنز الایمان: تو تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے۔

شبہ نہ رہا قولہ تعالی: وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ [1](پ27، الذٰریٰت:55)

خامساً: اس کے موعظِ حسنہ ہونے میں بھی شک نہیں بوجوہِ مسطورہ اور اس تقدیر پر اس آیت کا شمول اس کو لاریب ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [2](پ 14، النحل:125)

سادساً: اتباعِ سبیلِ رب تبارک وتعالیٰ انابت الی الحق ہے، قال اللہ سبحانہ: وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ [3](پ 21، لقمٰن:15) اور مضامینِ خطبہِ وداعیہ سے ترقیقِ قلوب باعث ہے اسی انابت کی۔

سابعاً: رمضان المبارک کا شعائر اللہ میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم دلیل ہے تقویٰ کی اور الوداع میں اظہارِ تعظیمِ رمضان اور شوق ومحبت اس کے ساتھ جس کے فوت پر تحسُّر کا ترتب ہے معاین ہے۔

پس اس کے جواز بلکہ استحسان میں کلام، دلیل ہے کوتاہ نظری کی وقد قال تعالی: وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [4](پ17، الحج:32)

ثامناً: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیرِ ماہِ شعبان میں رمضان شریف کے استقبال کا خطبہ پڑھا ہے اور بشارت ومژدہ ظاہر فرمایا اور اس کی عظمت ومحبوبیت بہت سی وجہ سے بیان

1...ترجمۂ کنزالایمان: اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

2...ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

3...ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

4...ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

فرمائی کما فی "المشکاۃ"[1] عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، الحدیث[2]۔

1۔۔۔"مشکاۃ المصابیح"، کتاب الصوم، الفصل الثالث، 1/372-373، حدیث 1965۔

2۔۔۔ عن سلمانَ الفارسيِّ قال: خطَبنا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم في آخر يومٍ من شعبانَ فقال: ((يا أيُّها الناسُ! قد أظلَّكم شهرٌ عظيمٌ، شهرٌ مباركٌ، شهرٌ فيه ليلةٌ خيرٌ من ألفِ شهرٍ، جعلَ اللهُ صيامَهُ فريضةً، وقيامَ ليله تطوّعاً، من تقرَّبَ فيهِ بخصلةٍ من الخير كان كمَنْ أدَّى فريضةً فيما سواه، ومَنْ أدَّى فريضةً فيه كان كمنْ أدَّى سبعينَ فريضةً فيما سواه. وهو شهر الصبرِ، والصبرُ ثوابهُ الجنَّةُ، وشهرُ المواساةِ، وشهرٌ يزادُ فيه رزقُ المؤمنِ، من فطَّر فيه صائماً كانَ له مغفرةً لذنوبه، وعَتْقَ رقبتِه منَ النار، وكانَ له مثلُ أجرِهِ من غيرِ أن ينتقص من أجرِهِ شيءٌ)) قلنا: يا رسولَ اللهِ! ليس كلُّنا نجدُ ما نفطِّر به الصائم. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يعطي الله هذا الثوابَ من فطَّر صائماً علي مذقة لبنٍ أو تمرة أو شربةٍ من ماء، ومن أشبعَ صائماً سقاهُ اللهُ من حوضي شَربةً لا يَظمأُ حتّى يدخُلَ الجَنَّةَ وهو شهرٌ أوّلهُ رحمةٌ وأوسطهُ مغفرةٌ، وآخرهُ عِتقٌ من النَّار ومن خفَّفَ عن مملوكِهِ فيه غفرَ اللهُ لهُ وأعتقهُ من النار))

روایت ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہم میں وعظ فرمایا تو فرمایا: اے لوگو! تم پر عظمت والا مہینا سایہ فگن ہو رہا ہے یہ مہینا برکت والا ہے جس کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہ وہ مہینا ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کئے اور جس کی رات کا قیام نفل بنایا جو اس ماہ میں نفلی بھلائی سے قربِ الٰہی حاصل کرے تو گویا اس نے دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا اور جو اس میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہوگا جیسے اس نے دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کئے یہ صبر کا مہینا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غربا کی غم خواری کا مہینا ہے، یہ وہ مہینا ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جو اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش اس کی گردن کی آزادی آگ سے ہوگی اور اسے روزہ دار کا سا ثواب ملے گا اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم ہو، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ یہ ثواب=

اور جب اس ماہِ مبارک کی محبوبیت اور اس کا استقبال و خیر مقدم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو چکا تو ہم اگر اس کے فوت اور وداع پر حسرت اور افسوس ظاہر کریں جیسا کہ مضمونِ خطبۃ الوداع اس پر شاہدِ عدل ہے تو اس کی عین شانِ محبوبیت کا اظہار اور اس کی ممانعت وکراہت کی کوئی وجہِ وجیہ نہیں، وداع استقبال کا مقابل اور ضد ہے۔ اور جس طرح محبوب کا استقبال محبوب و مستحسن ہے، اسی طرح اس کا وداع اور اس پر تحسُّر کا اظہار محبوب و مستحسن ہے، شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کی محبوبیت و استقبال کو ظاہر فرما کر ہم کو اس کی وداع کا راستہ اور طریقہ گویا بتادیا۔

تاسعًا: تعاملِ علمائے اہلسنّت شرقاً و غرباً خصوصاً علمائے حرمین شریفین خطبۃ الوداع کے پڑھنے پر اخیرِ جمعہ رمضان المبارک میں واضح دلیل ہے اس کے استحسان کی کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ((مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ))[1]۔

علامہ ابن حجر اپنی کتاب "النخب الجليلة في الخطب الجزيلة"[2] آخرِ جمعہ کی سرخی بایں عنوان الخطبة الرابعة لوداع شهر رمضان لکھ کر اس میں تحریر فرماتے ہیں:

فبعدك يا رمضان تعود ضياء مساجدنا ظلاماً وقيام مجاهدنا نياماً من

=اسے دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا گھونٹ بھر پانی سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہو گا حتی کہ جنت میں داخل ہو جائے، یہ وہ مہینا ہے جس کے اول میں رحمت، بیچ میں بخشش اور آخر میں آگ سے آزادی ہے اور جو اس مہینے میں اپنے غلام سے تخفیف کرے تو اللہ پاک اسے بخش دے گا اور آگ سے آزاد کر دے گا۔

1... یعنی جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ پاک کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

"مسند احمد"، مسند عبد اللہ بن مسعود، 2/16۔

2... "النخب الجليلة في الخطب الجزيلة"، الخطبة الرابعة لوداع شهر رمضان، ص127۔

اولی منا بالبکاء واحوج منّا الی العزاء فی مصیبتنا بشهر ودعناه غیر قسیم وشهدنا منه کلّ خلق کریم وقد آن لنا أن نقول: السلام علیك یا شهر الصیام السلام علیك یا شهر القیام یا شهر التراویح السلام علیك یا شهر المصابیح ودعناک...الخ[1]۔

فقیر کو اس شہر رامپور میں چالیس برس سے زیادہ ہوئے ہمیشہ جامع مسجد میں علما و حفاظ و قراء اس کو پڑھتے ہیں خصوصاً اپنے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مسجد مبارک حضرت مولائی ومرشدی قلبی وروحی فداہ کو ہمیشہ بلاناغہ یہ خطبہ پڑھتے دیکھا پس اس کے جواز واستحسان میں کوئی شبہ نہیں اور دلائلِ مذکورہ سے واضح ہوا کہ اس کو بدعتِ سیّئہ کہنا ہرگز صحیح نہیں نہ کوئی دلیل اس کی کراہت پر ثابت اور دعوی بلا دلیل قبولِ خرد نہیں۔

محمد سلامت اللہ رامپوری عفی عنہ

نقل فتویٰ حضرت جناب مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی دَامَتْ بَرَکَاتُہم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اخیرِ جمعہ رمضان مبارک میں جو خطبہ وداعیہ کا رواج عرب و عجم میں جاری ہے یہ طریقہ کیسا ہے اور خطبہ وداعیہ کا پڑھنا ازروئے شرع

1...اے رمضان تیرے بعد ہماری مساجد کی روشنی اندھیرے میں تبدیل ہو جائے گی اور ہمارے عبادت گزاروں کا قیام نیند میں تبدیل ہو جائے گا، ہم سے زیادہ رونے کا حقدار کون؟ جس مہینے کو ہم بغیر برکتیں لئے رخصت کررہے ہیں اور جس میں ہم نے ہر اچھی خصلت پائی ہے، اس مصیبت پر تعزیت کا ہم سے زیادہ حاجت مند کون؟ اب وقت آگیا ہے کہ ہم تجھے رخصت کرتے ہوئے کہیں: سلام ہو تجھ پر اے روزے داروں کے ماہ، سلام ہو تجھ پر اے شب بیداری کے ماہ، سلام ہو تجھ پر تراویح کے ماہ، اے روشنیوں کے ماہ ہم تجھے رخصت کرتے ہیں۔

درست ہے یا نہیں؟ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا

الجواب

خطبہ ٔ وداعیہ جائز ہے۔ اس میں رمضان مبارک کے تشریف لے جانے اور اپنی تقصیرات پر اظہارِ حسرت و ندامت ہوتا ہے اور یہ مقصود شرعاً محمود ہے اور کسی مقصدِ شرعی کا مزاحم نہیں ہے اور ایسی بات اگرچہ نو پید ہو مستحسن ہے، قال صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَه اَجْرُها وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِها اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا))[1]

امام علامہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ"[2] میں فرماتے ہیں: ذكر الشعراني رحمه الله تعالى في كتابه "عهود المشائخ" قال: ولا نمكن أحداً من إخواننا ينكر شيئاً ابتدعه المسلمون على جهة القربة إلى الله تعالى ورأوه حسناً كما مرّ تقريره مراراً في هذه العهود لا سيّما ما كان متعلّقاً بالله تعالى ورسوله صلى الله تعالى عليه وسلم فمن حرم ذلك فهو قاصر عن فهم الشريعة؛ لأنّه ما كلّ ما لم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلّم يكون مذموماً ولو فتح هذا الباب لردت أقوال المجتهدين في جميع ما استحبّوا من المحاسن ولا قائل به وقد فتح رسول الله صلى الله تعالى عليه

---

1 ...یعنی جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اس کیلئے اپنے عمل اور قیامت تک اس پر کاربند ہونے والوں کا ثواب ہے، ان کا ثواب کم ہوئے بغیر۔

"مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ...الخ، ص394، حدیث:2351، "معجم اوسط"، من اسمہ مقدام، 6/331۔

2..."حدیقہ ندیہ"، القسم الثانی، النوع الحادی والستون، الصنف الثالث، 4/398، ملتقطاً۔

وسلم لعلماء أمّته هذا الباب وأباح لهم أن يسنوا كلّ شيء استحسنوه ويلحقوه بشريعة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: ((مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُها وَأَجْرُ مَنْ يَّعْمَلُ بِها)) [1]۔

بعض ناواقفوں نے جو یہاں یہ اعتراض ایجاد کیا ہے کہ خطبۃ الوداع کی حدیث موضوع ہے اور حدیثِ موضوع پر عمل جائز نہیں۔ یہ محض جہلِ صریح یا مغالطہِ قبیح ہے۔ خطبۃ الوداع جسے علما نے موضوع کہا ہے [2] اس سے مراد وہ خطبہ ہے جسے کہا جاتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفاتِ اقدس سے کچھ پہلے منبر پر فرمایا اور اس کے بعد کوئی خطبہ نہ فرمایا اسی لیے اسے خطبۃ الوداع کہتے ہیں یعنی وقتِ رخصت کا خطبہ۔

1...یعنی حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃُ اللہِ علیہ اپنی کتاب "عہود المشائخ" میں فرماتے ہیں: ہم اپنے دوستوں کو کسی ایسی چیز سے روکنے کی اجازت نہ دیں گے جو مسلمانوں نے بارگاہِ خداوندی میں قرب حاصل کرنے کیلئے ایجاد کی ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں، جیسا کہ بارہا یہ گفتگو اسی کتاب میں گزر چکی ہے، خصوصاً وہ چیز جس کا تعلق اللہ پاک اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ہو، اسے جو حرام کہے وہ شریعت کو سمجھنے سے محروم ہے اس لئے کہ ہر وہ چیز جو عہدِ رسالت میں نہ ہو بری نہیں، اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وہ سارے اقوال مردود ٹھہریں گے جو انہوں نے اپنی پسند کردہ اچھی چیزوں کے بارے میں فرمائے ہیں حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی امت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کھول رکھا ہے اور انہیں اجازت دی ہے کہ جو طریقہ بھی اچھا سمجھیں اسے جاری کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شریعت میں شامل کریں یہ اجازت نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہے: جو شخص کوئی اچھا کام ایجاد کرے اسے اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر آئندہ سارے عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا۔

2... "اللآلی المصنوعۃ"، کتاب المواعظ والوصایا، 2/311۔

"مجمع البحار"[1] بیانِ احادیثِ موضوعہ میں ہے:ومنها خطبة الوداع عن أبي الدرداء رفعه "اللآلي" الخطبة الأخيرة عن أبي هريرة وابن عباس بطولها موضوع اتّهم به ميسرة بن عبد ربه لا بورك فيه[2].

"اللآلی مصنوعہ"[3] میں ہے: أخرج الحارث بن أبي أسامة في "مسنده" قال: حدثنا داود بن المحبّر قال: حدثنا ميسرة بن عبد ربّه فذكر بسنده عن أبي هريرة و ابن عباس قالا: خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خطبة قبل وفاته وهي آخر خطبة خطبها في المدينة حتّى لحق الله تعالى[4].

پھر سات ورق کے قریب ایک حدیث طویل ذکر کی جس کے آخر میں ہے: ثمّ نزل فكانت آخر خطبة خطبها صلى الله تعالى عليه وسلم[5] پھر فرمایا: قال

1... "مجمع بحار الانوار"، فصل فی الجرح والتعدیل، نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبہم، 5/229۔

2... اور انہی موضوع حدیثوں میں خطبۃ الوداع کی وہ حدیث ہے جسے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلی المصنوعۃ" میں خطبۂ اخیرہ کے عنوان سے حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا، یہ پوری حدیث موضوع ہے، اس کی سند میں میسرہ بن عبد ربہ نامی راوی ہے جس کے لئے علمائے اصولیین نے "متہم" اور "لا بورک فیہ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

3... "اللآلی المصنوعۃ"، کتاب المواعظ والوصایا، 2/303۔

4... حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ شریف میں اپنی وفاتِ ظاہری سے پہلے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری سے قبل آپ کا آخری خطبہ تھا۔

5... پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور یہ وہ آخری خطبہ تھا جسے آپ نے اپنے وصالِ ظاہری سے پہلے ارشاد فرمایا۔

الحافظ بن حجر فی "المطالب العالیۃ"[1] هذا الحدیث بطوله موضوع علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم والمتّهم بمیسرة بن عبد ربّه لا بورك فیه اھ[2]، یہ وہ خطبۃ الوداع ہے جس کا راوی ایک وضاع ہے، اسے الوداع رمضان پر ڈھالنا کیسی جاہلانہ بے باکی اور کتنی سفیہانہ چالاکی ہے!

بالجملہ الوداعِ مذکور میں کوئی حرجِ شرعی نہیں، ہاں! علما کو چاہیے کہ جب عوام کو دیکھیں کہ اسے ضروری اور واجب سمجھنے لگے ہیں تو اس کا التزام نہ کریں کبھی کبھی ترک بھی کردیں، کما هو حکم كلّ ما یخشی فیه ذلك کما حقّقناه في "فتاوانا"[3] واللّٰه سبحانه وتعالی أعلم

عبد المصطفےٰ احمد رضا خان مجددی حنفی قادری

علامہ ابن حجر کا خطبۃ الوداع

علامہ ابن حجر رحمۃ اللّٰہِ علیہ نے ایک خاص سرخی خطبۃ الوداع کی قائم کرکے ایک خطبہ وداعیہ لکھا ہے جس کے تھوڑے سے الفاظ مولانا شاہ سلامت اللّٰہ صاحب رامپوری کے فتویٰ میں مذکور ہیں اور رسالہ "کشف القناع" میں بھی وہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

1... "المطالب العالیۃ"، کتاب الادب، باب جمل من الأدب، 7/128۔

2... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللّٰہِ علیہ نے "المطالب العالیۃ" میں فرمایا: یہ پوری حدیث موضوع ہے اور اس کی سند میں میسرہ بن عبد ربہ نامی راوی ہے جس کے لئے علمائے اصولیین نے "متہم" اور "لا بورک فیہ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

3... انظر "فتاوی رضویہ"، 8/451، 22/315۔

علامہ ابن رجب کی عبارت

علامہ حافظ زین الدین عبد الرحمن دمشقی حنبلی جو ابن رجب کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں اور ابن نعیم کے ارشد تلامذہ سے ہیں اپنی کتاب "لطائف المعارف"[1] میں شہر رمضان کے متعلق بہت سی مجلسوں کا ذکر کرتے ہوئے چھٹی مجلس رمضان شریف کے رخصتی کی بابت قائم کرتے ہیں اور اس میں فضائلِ صیام اور قیام کا ذکر کرتے ہوئے ایک لمبی عبارت لکھتے ہیں جس میں سے چند اشعار ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

سَلَامٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ كُلَّ اَوَانٍ	عَلٰى خَيْرِ شَهْرٍ قَدْ مَضٰى وَزَمَانٍ
سَلَامٌ عَلٰى شَهْرِ الصِّيَامِ فَاِنَّه	اَمَانٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ اَيُّ اَمَانٍ
لَئِنْ فَنِيَتْ اَيَّامُكَ الْغُرُّ بَغْتَةً	فَمَا الْحُزْنُ مِنْ قَلْبِيْ عَلَيْكَ بِفَانٍ
دَهَاكَ الْفِرَاقُ فَمَا تَصْنَعُ	اَتَصْبِرُ لِلْبَيْنِ اَمْ تَجْزَعُ
اِذَا كُنْتَ تَبْكِيْ وَهُمْ جِيْرَةٌ	فَكَيْفَ تَكُوْنُ اِذَا وَدَّعُوْا
تَذَكَّرْتُ اَيَّامًا مَضَتْ وَلَيَالِيًا	خَلَتْ فَجَرَتْ مِنْ ذِكْرِهِنَّ دُمُوْعُ[2]

1... "لطائف المعارف"، المجلس السادس فی وداع شہر رمضان، ص248، ملتقطاً۔

2... رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہر گھڑی اور ہر وقت اُس بہترین مہینے پر سلام ہو جو گزر گیا۔ ماہِ صیام کو سلام ہو! یہ رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے امان ہے اور کیسی عظیم امان ہے! اے ماہِ مبارک! دیکھتے دیکھتے تیرے روشن دِن ہم سے رخصت ہو گئے لیکن تیرے جانے کا غم کبھی میرے دل سے رخصت نہیں ہو گا۔ تم پر فراق کی مصیبت آئی، اب تم کیا کر رہے ہو؟ کیا جُدائی پر صبر کر رہے ہو یا رونا دھونا مچایا ہوا ہے؟ جب وہ پڑوس میں موجود ہیں تب تم رو رہے ہو تو اس وقت کیا حال ہو گا جب وہ رخصت ہو جائیں گے! مجھے گزرے ہوئے دن اور راتیں یاد آ گئیں تو اُن وقتوں کی یاد میں آنسو بہنے لگے۔

اَلَا هَلۡ لَهَا يَوۡمًا مِنَ الدَّهۡرِ عَوۡدَةٌ ۔۔۔ وَهَلۡ لِیۡ اِلٰی وَقۡتِ الۡوِصَالِ رُجُوۡعٌ

وَهَلۡ بَعۡدَ اِعۡرَاضِ الۡحَبِيۡبِ تَوَاصُلٌ ۔۔۔ وَهَلۡ لِبُدُوۡرٍ قَدۡ اَفَلۡنَ طُلُوۡعٌ[1]

مولانا عبد الحی مرحوم نے اپنے "خطبہ وداعیہ "[2] میں ان تمام شعروں کو نقل کیا ہے۔

معزز ناظرین! ملاحظہ فرمایئے خطبۃ الوداع کو اتنے بڑے بڑے علماء جائز سمجھتے ہیں اور اس کے لیے اپنی کتابوں میں بعض خطبے لکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر اس کے جواز کا ثبوت اور کیا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ تنہا ہم ہی اس کے جواز کے قائل نہیں بلکہ علماءِ سابقین اور موجودین سب کے سب اس پر متفق ہیں۔ ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مَستم ۔۔۔ از ایں مے ہمچو من بسیار شد[3]

پس جس قدر گالیاں مصنف "قاطع الورید" نے دی ہیں اور سخت کلامیاں کی ہیں وہ حقیقت میں کل مجوزین خطبہ وداعیہ کے حق میں کی ہیں، فعلیه ما يستحقّه.

مجیب نے جس قدر دلائل لکھے تھے مولانا عبد الحی صاحب مرحوم نے ان سب کا جواب دے کر ہم کو سبکدوش کر دیا ہے ان کا بار بار جواب دینے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے، صرف ایک دلیل کا جواب ہمارے ذمہ ہے اس کو بھی لگے ہاتھوں پڑھ لیجئے۔

خطبۃ الوداع نوحہ نہیں ہے

مُصنف "قاطع الورید" نے خطبۃ الوداع کے ممنوع ہونے کی ایک نہایت مستحکم دلیل

1... بھلا! کبھی یہ وقت لوٹ کے آئیں گے، کیا کبھی دوبارہ ملاقات کے لمحے میسّر آئیں گے؟ کیا محبوب کی بے رُخی کے بعد پھر ملاقات نصیب ہو گی؟ اور کیا ڈوبے ہوئے چاند پھر طلوع ہوں گے؟

2... "مجموعہ رسائل لکنوی"، الخطب اللکنویۃ، خطبہ وداع رمضان، 2/102۔

3... میں تنہا ہی اس میخانے میں مست نہیں ہوں۔ اس مے سے میری مثل بہت سے لوگ مست ہوئے۔

یہ لکھی ہے کہ یہ نوحہ ہے اور نوحہ کی ممانعت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے باوجود یہ کہ اس کا جواب مفصل و معقول "کشف القناع" میں دے دیا گیا تھا مگر "قاطع الورید" میں اس دلیل پر پھر زور دیا گیا ہے اور مجیب نے اپنے خیال میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں، مگر حضرات یہ خوب واضح رہے کہ یہ دلیل نہ پہلے کسی عالم کو سوجھی نہ پچھلے بلکہ مولانا اسحاق صاحب کے خاص طبع و قار کا نتیجہ ہے۔

نوحہ کے معنی "منجد"[1] میں "میت پر جزع اور آواز کے ساتھ رونے کے" لکھے ہیں، منجد کے علاوہ اور لغات میں بھی یہ معنی لکھے ہیں۔ مجیب نے "قاموس" کی عبارت لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نوحہ کے معنی مطلق رونے کے ہیں مگر یہ ان کی خوش فہمی ہے، دونوں عبارتوں کے ملانے سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لغت میں لفظ نوحہ عام ہے رہے اصطلاحی شرعی معنی اس کو مجیب خود تسلیم کرتا ہے کہ "منجد" میں جو ترجمہ لکھا ہے وہ شرعی اور اصطلاحی معنی ہیں اور یہی نوحہ ممنوعہ ہے غور فرمایئے جب مجیب خود مانتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اصطلاحی شرعی معنی میت پر رونا اور بین کرنا ہے اور یہی نوحہ ممنوعہ ہے تو ہماری غرض حاصل ہو گئی لغوی معنی عام سہی مگر شرعی معنی تو خاص ہیں اور حدیثوں میں اسی کی ممانعت ہے۔ اسی بنا پر "ترمذی"[2] کی روایت میں جو صوت عند مصیبة کے الفاظ واقع ہیں ان سے مراد کسی شخص کی موت پر آواز بلند کرنا ہے۔ روایت کا سیاق اور سباق ملاحظہ فرمایئے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر روئے تو حضرت

1... "المنجد" فی اللغۃ، باب النون، ص 845، تحت اللفظ: النیاحۃ۔

2... "ترمذی"، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، 2/306، حدیث: 1007۔

عبد الرحمن نے یہ عرض کی کہ یارسول اللہ! کیا آپ نے رونے سے منع نہیں فرمایا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نے دو آوازوں سے منع کیا تھا ایک صَوْت عِنْدَ مُصِیْبَۃ منہ نوچنے اور گریبان پھاڑنے سے روکا تھا دوسری آواز مزمار سے۔

صحابی نے میت پر مطلق رونے کو نوحہ سمجھا تھا مگر آپ نے اس کو صاف فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ میت پر مطلق رونا نوحہ نہیں ہے بلکہ آواز سے رونا، منہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا نوحہ ہے۔[1]

یہ سوال وجواب اور صورتِ واقعہ خود بتاتی ہے کہ مردہ پر رونے کے بارے میں یہ سوال تھا اور اس کے متعلق آپ نے جواب دیا پس مصیبت کا لفظ یہاں ایسا عام نہیں ہے کہ جس میں میت کی کچھ خصوصیت نہ ہو بلکہ میت کی تنکیر مراد ہے یعنی کسی شخص کی موت پر رونا یہ بھی ایک قسم کا عموم ہے جو نکرہ کے لیے کافی ہے۔ "مرقاۃ"[2] کی عبارت میں جو مجیب نے عموم سمجھا ہے یہ بھی اس کی اعلیٰ درجہ کی فطانت اور قابلیت ہے۔ اس عبارت کا یہی مطلب ہے کہ نائحہ وہ عورت ہے جو میت پر نوحہ کرے یا ان چیزوں پر نوحہ کرے جو میت کے مرجانے سے اس نائحہ سے فوت ہوئیں اور میت حقیقۃً جاندار ہی ہوتا ہے جس میں حیات اور اس کے لوازم رہے ہوں، رہی زمین یا دیگر اشیاء کو جو مردہ کہا جاتا ہے وہ اطلاقِ حقیقی نہیں ہے جس کو مجیب نے غلطی سے عام سمجھا ہے۔ لفظ ''میت'' مقابل ''حی'' کا ہے اسی طرح موت حیاۃ کے مقابل ہے اور حیات کے آثار اور لوازم خاص ہیں جو ہر چیز میں حقیقۃً نہیں پائے جاتے۔ لفظ موت کے لغت میں بہت سے معانی ہیں ان سب سے اس جگہ بحث نہیں

1... "شرح معانی الآثار"، کتاب الکراھیۃ، باب البکاء علی المیت، 4/107۔108۔

2... "مرقاۃ المفاتیح"، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت، الفصل الاول، 4/202۔203، تحت الحدیث: 1722۔

ہے بلکہ اس موقع پر لفظِ مُردن کا جو مفہوم ہے اس کی گفتگو ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کی جو روایت مجیب نے نقل کی ہے اس کا مطلب وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ”ہم لوگ اہلِ میت کے ہاں جمع ہونے اوران کے لیے اہلِ میت کے کھانا پکانے کو نوحہ سمجھتے تھے یعنی ممنوع“ ”ملاحظہ فرمایئے حدیث میں تو لفظِ ”نیاحت“ وارد ہے لیکن مجیب صاحب گھبرا کر خود اس کی تاویل کرتے ہیں کہ نوحہ سمجھنے سے مراد ممنوع ہونا ہے یعنی یہ نوحہ حقیقی تو ہو نہیں سکتا بلکہ صحابی رضی اللہ عنہ کی غرض صرف ممانعت بیان کرنا ہے اب ہم پر یہ روایت کیونکر حجت ہو سکتی ہے؟!

اچھا مجیب صاحب کی خاطر ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کرلیتے ہیں کہ نوحہ کے معنی ”ہر مصیبت پر جزع کے ساتھ آواز بلند کرنے کے“ ہیں، میت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نوحہ میں جزع کا ہونا ضروری ہے اور ”جزع“ کے معنی بے صبری اور ناشکیبائی کے ہیں یہ بے صبری اور ناشکیبائی خطبہ ٔوداعیہ میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پائی جاتی تو فھو المراد اور اگر پائی جاتی ہے تو اسے ثابت کرو۔

خطیب خطبۃ الوداع میں اپنی آواز اور صوت کے مطابق چند الفاظ کو پڑھتا ہے اور اس پر صرف آنسو بہاتا ہے نہ لغو الفاظ کہتا اور ہائے وائے کہہ کر چیختا چلاتا نہ کپڑے پھاڑتا نہ بالوں کو نوچتا نہ چھاتی کوٹتا۔

اولاً: پڑھنے اور آواز سے رونے کے مفہوم میں کتنا فرق ہے۔

ثانیاً: محض لفظِ فراق یا وداع کہہ کر آنسو بہانا نوحہ ممنوعہ نہیں ہے، صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس میں ”فراق“ کا لفظ موجود ہے اور آپ نے آنسو بھی بہائے تھے۔

ثالثاً: الفراق اور الوداع کہنا بے صبری نہیں ہے بلکہ ہائے وائے کہہ کے چیخنا، بالوں کو نوچنا، سینہ کوبی کرنا گریبان پھاڑنا یہ بے صبری ہے اور یہی نوحۂ ممنوعہ کے مفہوم میں داخل ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو گریبان پھاڑے اور منہ پیٹے اور دعویٰ جاہلیت بیان کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے[1]۔

"ترمذی"[2] کی روایت منقولہ مجیب میں جو صَوْتٍ عِنْدَ مُصِیْبَۃٍ کے ساتھ الفاظ خمشِ وجہ وشقِّ جیوب کے منضم ہیں اور وہ بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ محض آواز کا نام نوحہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ منہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا یعنی بے صبری کے علامات بھی ہونے چاہئیں۔

مجیب صاحب اور ان کے رفقاء چند الفاظِ حدیث اور لغت کو دیکھ کر بانسوں اچھلنے لگے اور بڑے فخر وناز سے اپنی تحقیقات بدیعہ کا اعلان کرنے لگے مگر نہ تو صورتِ حال پر کبھی نظر غائر کی اور نہ احادیث کے مطالب اور وجہِ ممانعت کو پورے طور پر سمجھا افسوس۔ شعر

نازہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق　　اس نے دیکھے ہی نہیں نازونزاکت والے

اکابر علماء جن کے فتاویٰ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کی سمجھ میں خطبۃ الوداع کا نوحہ ہونا کبھی نہیں آیا مگر اس چودھویں صدی میں مجیب صاحب اس کو نوحہ فرماتے ہیں جو بقول شخصے ابھی بسم اللہ کے گنبد سے باہر بھی نہیں نکلے ہیں۔

ہمارے مطالبات کا جواب

ہم نے ایک موقع پر یہ لکھا تھا کہ اگر عدمِ ذکر سے مجیب کو ممانعت خطبہ وداعیہ پر

1..."بخاری"، کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود، 1/439، حدیث:1297۔

2..."ترمذی"، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، 2/306، حدیث:1007۔

خواہ مخواہ اصرار ہے تو اس کو اس قسم کی تمام باتوں کو ناجائز کہنا پڑے گا جن میں ان کے اساتذہ شب و روز مبتلا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو سندِ حدیث نہیں عطا فرمائی، نہ کبھی دستار بندی کا جلسہ کیا، نہ دارالحدیث کا سنگِ بنیاد رکھا، نہ شارع نے کبھی قرآن و حدیث پڑھا کر روپیہ لیا، نہ ریل اور جہاز پر کوئی سفر فرمایا، نہ عمدہ عمدہ جانمازیں بچھائیں اور نہ صرف ٹوپی پہن کر نماز ادا کی۔

ان مطالبات کے جواب میں مجیب نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے مگر تمام تحریر پڑھ جاؤ اصلی جواب ندارد۔ کہیں ضرورت اور مصلحت کا حیلہ کیا گیا ہے اور کہیں چند قیاسوں سے کام لے کر جواب دیا گیا ہے۔ لائق مجیب ہم کو نہ آپ کی ضرورت کی ضرورت ہے اور نہ آپ کے قیاسات کی حاجت ہے۔ آپ تمام مسائلِ اختلافیہ میں ہم لوگوں سے ہیاتِ مجموعی اور ہیاتِ کذائیہ کا ثبوت طلب کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے مطالبات کے جواب میں یہی طریقۂ معمولہ کا ثبوت پیش کیجئے۔ کیا خطبۃ الوداع کے متعلق ہم نے آپ کو ضرورت اور مصلحت نہیں بتائی، کیا آپ کا ایسا قیاس ہماری کتاب میں موجود نہیں ہے پھر کیوں آپ ہم سے قرونِ اولیٰ کی نظیر مانگتے ہیں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت ابوہریرہ کو اپنی نعلین عطا فرمائی تھی [(1)] اس پر آپ کاغذ کی سند کا قیاس فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ کجا کاغذ اور کجا نعلین دونوں میں کیا مناسبت ہے! رہا یہ قیاس کہ وہ بھی ایک نشانی تھی اور سند بھی ایک نشانی ہے یہ ہمارے مقابلہ میں لغو اور بیکار ہے کیونکہ ہم آپ سے سند کی ہیاتِ کذائیہ کا ثبوت مانگتے ہیں۔

1... "مسلم"، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید، ص37، حدیث:147۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب کسی کو حاکم بناتے تھے تو بلا کسی تداعی اور اہتمام کے اُس کے سر پر عمامہ باندھتے تھے[1] اس پر آپ اپنی اور اپنے رفقاء کی دستار بندی کا قیاس فرماتے ہیں جس میں سینکڑوں روپے اعلان، اشتہارات اور دعوتوں میں صرف کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم جس کو حاکم مقرر کرتے تھے اس کے پاس ایک نشان کا ہونا ضروری تھا بغیر اس کے ممکن تھا کہ کوئی شخص ان کی اطاعت نہ کرتا، آپ کے مدرسہ دیوبند والے اس کو کہاں بھیجتے ہیں بلکہ طلباء اپنے گھر رخصت ہو کر آتے ہیں پھر کوئی طبابت کرتا ہے کوئی تجارت میں مشغول ہوتا ہے کوئی نوکری کرلیتا ہے آپ اپنی روایاتِ منقولہ سے زیادہ سے زیادہ اس قدر ثابت کرسکتے ہیں کہ اگر مدرسہ دیوبند خاص طور پر کسی کو نامزد کرکے کہیں بھیجے تو اس کو ایک اپنا خاص نشان بھی اعتماد کے لیے دے دینا چاہیے، یہ مقصود جلسہ دستار بندی کے سراسر خلاف ہے۔

عمال ائمہ اور معلمین کو جو کچھ عہدِ نبوی اور عہدِ خلفاءِ راشدین رضی اللہُ عنہم میں دیا جاتا تھا اس کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بطورِ رزق کفاف اور ہدیہ کے تھا اس پر اجرت کا قیاس کرنے والے آپ کون ہیں، اگر دوسروں نے کیا ہے تو آپ کیوں اس قیاس کو تسلیم کریں اور اگر تسلیم کرتے ہیں تو دوسروں کے قیاس کو کیوں قبول نہیں کرتے ؟!

ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق جو آپ نے حدیث نقل کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک بڑے کپڑے میں جو سر سے پاؤں تک لپٹا ہوتا تھا نماز پڑھتے تھے سبحان اللہ کیا

---

1 ... "کتاب الثقات"، السنۃ التاسعۃ من الہجرۃ، 1/147۔ "تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس"، ذکر معاذ بن جبل، 3/48۔

ثبوت آپ نے دیا! ع

کہاں جھگڑا پڑا اوے کا نکالا باغ کا کاغذ۔

سوال تو تھا کہ سر پر صرف ٹوپی ہو اور باقی بدن پر دوسرے کپڑے ہوں ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ وبدعت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان، جب صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے[1] تو محض ٹوپی اور وہ بھی میرٹھی و دہلوی، دیوبندی پہننا اور نماز پڑھنا پڑھانا خلافِ سنت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور عبث اس کی تاویل یہ آپ کا حصہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روایت جو مجیب نے نقل کی ہے اس میں نماز کا کہاں تذکرہ ہے؟ رہی تاویل اس کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس طرح دوسرے موقع پر یہ لکھا گیا تھا کہ خطبہ مسنونہ میں حضراتِ خلفاءِ راشدین حضرات حسنین و عمین محترمین وغیرہم رضی اللہ عنہم کا بالالتزام ذکر اوران پر ترضی، اس طرح مخصوص سلطان کے لیے دعائے خیر کرنا داخل نہیں ہے۔

اس کا پہلا جواب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب خطبہ مسنونہ کے وظیفہ میں بہ اقرار برخور دار مومنین ومومنات کے لیے دعائے خیر کرنا بھی داخل ہے تو بزرگوارانِ موصوف کے لیے دعائے خیر کو داخل نہ سمجھنا انتہا درجے کی حماقت وناشکری ہے۔ قربان اس تہذیب اور

1... "الدعامة فی احکام سنة العمامة"، فوائد الثانیة، ص105۔ "مسند احمد"، مسند ابی سعید خدری، 4/164-165، حدیث:11780۔

شائستگی کے۔ بہر حال سوال تو یہ تھا کہ اس ہیاتِ مجموعی کی قرونِ اولیٰ میں کوئی نظیر دکھلایئے جواب یہ ملا کہ مؤمنین اور مؤمنات میں سب داخل ہیں۔ تخصیص ذکری کے لیے آپ نے جو حدیث نقل فرمائی اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا کرتے تھے[1] اس روایت سے خلیفۂ وقت کے لیے دعا کرنا تو نکل آیا مگر ہیاتِ کذائیہ کا اس میں کہیں پتہ بھی نہیں نہ وہ دعا وخطبہ میں تھی بلکہ جس ترتیب سے حضرات دیوبند خلفاء کا ذکر اور ترضی کرتے ہیں اس کے خلاف ثابت ہوگیا۔ قیاسی بحث کو ہم ایک منٹ کے لیے سننا نہیں چاہتے کیونکہ یہ اصول آپ ہی نے ہم کو سکھایا ہے ہر امر میں قرونِ اولیٰ کی نظیر ہم کو دکھلائیں ورنہ الفاظِ تلبیہ پر زیادتی کا ثبوت ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت کردیا، ماثورہ دعاؤں پر الفاظ کا بڑھانا علما کے نزدیک جائز ہے درود شریف میں نئے صیغوں اور عباراتِ لطیفہ کا اضافہ درست ہے پھر کیا وجہ ہے کہ خطبۂ اخیرۂ رمضان میں کلماتِ مناسبہ کا بڑھانا ناجائز حرام بدعت اور ضلالت ہے؟ ماھو جوابکم فھو جوابنا۔

ہماری دقیق نظر کی جو تحقیق محقق صاحب نے فرمائی ہے اس میں بھی بجز کھینچ تان گالی گلوچ کے اور کچھ نہیں ہے نہ واقعی اس میں تحقیق کی روشنی ہے، اس لیے ان سب کو ہم نظر انداز کرتے ہیں ہمارے پاس اس قدر وقت نہیں کہ ایک لفظِ بیکار کا جواب لکھیں اصل مباحث کی دوبارہ ہم نے تحقیق کردی ہے۔ مجیب نے جو بعض لفظی بحثیں کی ہیں ان کا جواب آگے آتا ہے۔ مسئلۂ علم غیب، غلافِ قبر، قبہ بنانے، میلاد و قیام وغیرہا مسائل کی اگر آپ

1… "احیاء علوم الدین"، کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، الباب الرابع، 2/ 422۔

تحقیق کرنا چاہتے ہوں تو رسالہ "بدرِ تحقیق"، "اظہارِ گواہ صادق"، "تصفیۃ الاذہان" اور "الدرالمنظم" کو نظرِ انصاف سے ملاحظہ فرمالیجئے۔

نظرِ دقیق کے اخیر حصہ میں یہ لکھا گیا تھا کہ جس چیز کو شرع نے جائز بتادیا ہے وہ ہمیشہ مباح رہے گی اور جس کو حرام کہہ دیا ہے وہ قیامت تک حرام، اگر کوئی جاہل اپنی جہالت سے اس کو واجب سمجھنے لگے تو محض اس وجہ سے وہ ناجائز اور محظور نہیں ہو سکتا۔

فقہائے کرام نے جو امرِ جائز و مندوب کو واجب سمجھنے کی صورت میں اس کے ترک کا فتویٰ دیا ہے اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ سدِ بابِ فتنہ ہو جائے فاضل مجیب نے اس حصہ کے رد میں دل کھول کر ہم کو گالیاں دی ہیں مگر ہم نے ان گالیوں کو نہایت ٹھنڈے دل سے پڑھا ہے ہم اس موقعہ پر کیا کسی جگہ سب و شتم کا جواب دینا پسند نہیں کرتے بلکہ ان سب کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ دو ہزار گالیاں اور ہم کو دے لیجئے لیکن آپ کے پیشوایانِ طریقت نے جو گستاخانہ الفاظ حضور پر نور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب اقدس میں لکھے ہیں للہ ان سے توبہ کیجئے اور ایک منٹ کے لیے ان کی تاویل نہ فرمایئے اس کے بعد اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہو جایئے ہر شخص اس سے واقف ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے حرام، حلال، فرائض، واجبات، سنن، مندوبات اور مباحات سب کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر فرمادی ہے قرآن و حدیث و فقہ میں ہزاروں شہادتیں اس کی موجود ہیں اور دنیا میں کسی شخص یا کسی جماعت کو خواہ وہ فقہا یا کسی اور کو ہرگز ہرگز یہ حق نہیں کہ شریعت نے جس کو جائز بتایا ہو وہ اس کو ناجائز قرار دے، حکمت اور مصلحت وہ امر دیگر ہے۔ بعض فقہا نے جہاں کہیں مباحات، مندوبات یا امورِ مسنونہ سے وجوب یا احتمالِ وجوب کی صورت میں روکا ہے وہ اصلاحِ عوام اور مصلحت کی وجہ سے ہے اس سے شرع کے احکام نہیں بدل سکتے

اس سے امر جائز، ناجائز اور حرام نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے اس کے چھوڑنے کا حکم فقہا نے دیا ہے اس کو ناجائز اور ممنوع نہیں فرمایا۔

مجیب نے ص 43 میں نہایت خوش ہو کر فقہائے کرام کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ إذا تردّد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترك السنّۃ راجحاً علی فعل البدعۃ[1] اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اگر ہم الفاظِ وداع و فراق کو جائز و مستحب۔۔۔۔[2] تب بھی وہ فسادِ عقیدۂ عوام کی وجہ سے واجب الترک ہیں۔ واہ مجیب صاحب واہ! قربان آپ کے نتیجہ کے اصل عبارت میں تو آپ خود لفظِ راجح نقل کریں اور نتیجہ میں واجب الترک بتائیں، یہ کون سی دیانت ہے؟ اصل قصہ یہ ہے کہ فقہائے اُمت کے اس بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں بعض کی یہ رائے ہے کہ امرِ مسنون کہ بدعت کی مقارنت سے چھوڑ دینا چاہیے اور بعض کا خیال ہے کہ فعلِ مسنون کو نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ بدعت کو مٹانا چاہیے۔

علامہ ابن حجر رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں کہ دعوتِ ولیمہ منکرات اور مفاسد کی وجہ سے نہ چھوڑی جائے بلکہ بدعات زائل کی جائیں۔[3]

علامہ شامی رحمۃُ اللہِ علیہ ارشاد کرتے ہیں کہ جنازہ کی اتباع نہ چھوڑی جائے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورتیں ہوں۔[4]

حدیثِ صحیح میں جو احیائے سنت کا حکم اور ثواب مروی ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا

1…"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، مطلب: اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ…الخ، 2/ 493۔

2…اصل میں یہاں بیاض ہے۔

3…"الفتاوی الکبری"، باب الجنائز، 1/ 421، باب الولیمۃ، 4/ 54، ملتقطاً۔

4…"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب الجنازۃ، مطلب فی حمل المیت، 3/ 162۔

ہے کہ سنت ہر وقت زندہ کی جائے اور بدعات ہمیشہ مٹائی جائیں اس کے علاوہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جب حکم درمیانِ سنت اور بدعت کے واقع ہو اس سے مراد واقعی اور حقیقی بدعت یا امر مشتبہ ہے آپ کی یا میری من مانی اور فرضی بدعت نہیں ہے ورنہ آپ مہربانی کرکے سندِ دستار بندی القاسم الامداد کی اشاعت مدرسہ دیوبند اور اس کے دارالحدیث سب کو خیر باد کہہ دیجئے کیونکہ آپ ان کو سنت سے ثابت کرتے ہیں اور میں ان سب کو بدعت کہتا ہوں یہاں بھی حکم درمیان سنت اور بدعت کے واقع ہوا اور ایسے مواقع پر آپ خود فتوے دے چکے ہیں کہ وہ واجب الترک ہے۔

میں نے ایک موقع پر خطبہِ وداع کو جو محلِ مشتبہ لکھا ہے وہ آپ کے جواب میں لکھا ہے تاکہ کسی طرح آپ کی سمجھ میں مسئلہ آجائے اور آپ اپنی غلطیوں سے باز آئیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو واقعی محلِ مشتبہ مان لیجئے اور قواعدِ شرعیہ سے بالکل آنکھیں بند کرلیجئے تو زیادہ سے زیادہ اس سے بچنا اولیٰ ہو گا لیکن آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ناجائز اور حرام ہے جس کے ثبوت سے آپ اب تک عاجز ہیں۔

اسی طرح امرِ مباح یا مندوب جس کے جاری رکھنے میں کوئی دینی منفعت اور مصلحت ہو اس کو کسی امرِ قبیح کی مقارنت سے ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس فعلِ بد کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کیونکہ اس زمانے میں امورِ خیر کی طرف لوگوں کی توجہ روز بہ روز کم ہوتی جاتی ہے اگر اسی طرح امور خیر روکے جاویں گے تو نیکیوں کا دوازہ بالکل بند ہو جائے گا۔

اور ملاہی ملاعب کی کثرت بڑھتی جائے گی فقہائے امت نے بھی مختلف مواقع پر اس کا خیال فرمایا ہے بلکہ قوم کے کسل اور سستی کی وجہ سے انہوں نے بعض امورِ مختلفہ ممنوعہ کے کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

دیکھئے "بحر الرائق"[1]: کسالی فی العوام إذا صلّوا الفجر وقت الطلوع لا ینکر علیھم؛ لأنّھم لو منعوا یترکونھا أصلاً ولو صلّوا یجوز عند أصحاب الحدیث وأداء الجائز عند البعض أولی من الترك أصلاً۔[2] أمّا العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل أصلاً لقلّة رغبتھم فی الخیرات، "درمختار"[3]

"قطع برید" کے متعلق صرف اس قدر عرض ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب اور مولوی خلیل احمد صاحب کی کاروائیوں کو پھر دوبارہ ملاحظہ فرمائیے اس کی حقیقت صاف آپ پر آشکارا ہو جائے گی۔ برادرِ عزیز پہلی جلد اور دوسری جلد کی بحث بالکل بیکار ہے۔

جب علامہ شامی اپنی کتاب میں کسی جگہ تحریر فرماتے ہیں، کہ چادر چڑھانا جائز ہے[4] تو یہ کیسی دلیری ہے کہ صاحب پہلی جلد میں تو یہ نہیں لکھا ہے۔ ہاں یہ کہو کہ مولانا کی نظر اتنی وسیع نہیں تھی اس واسطے ان سے غلطی ہوگئی، مگر یہ کہتے ہوئے آپ کو شرم اور سخت غیرت آئے گی۔ علٰی ہذا حضرتِ شیخ محقق دہلوی نے جب ایک موقع پر روایت: واللہ لا

1... "بحر الرائق"، کتاب الصلاۃ، 1/437۔

2... عوام سستی کرتے ہوئے سورج طلوع ہونے کے وقت نمازِ فجر ادا کریں تو انہیں منع نہ کیا جائے کیونکہ اگر انہیں منع کیا جائے گا تو وہ نماز ہی چھوڑ دیں گے اور اگر نماز ادا کر لیں گے تو محدثین کرام کے مذہب کے مطابق ان کی نماز درست ہو جائے گی اور ہر وہ کام جو بعض ائمہ کرام کے نزدیک جائز ہو اسے بجا لانا بالکل چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔

3... رہا عوام کا معاملہ تو انہیں نہ تکبیر سے روکا جائے اور نہ ہی نفل پڑھنے سے کیونکہ ویسے ہی نیکی کے کاموں میں ان کی رغبت عموماً کم ہی ہوتی ہے، "درمختار"۔ "درمختار"، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، 3/60۔

اس مسئلہ کی تفصیل کیلئے "بہارِ شریعت"، حصہ 3، 1/454، فتاوی رضویہ، 8/376 ملاحظہ فرمائیں۔

4... "رد المحتار"، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، 9/599۔

أدري وأنا رسول الله، الحديث کی صحت کو تسلیم نہیں فرمایا اور صاف لکھ دیا کہ روایت بدال صحیح نہ شدہ[1] تو اُن کی ذاتی رائے اس کے متعلق معلوم ہو گئی اب رہا دوسرے مواقع پر اس روایت کا ذکر کرنا وہ صرف دوسروں کی نقل ہے لہذا اس روایت کی نسبت حضرت شیخ کی طرف کسی طرح درست نہیں ہو سکتی ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیخ نے "مدارج" میں دوسروں کی روایت نقل کی ہے۔ مجیب نے اس روایت پر جو اپنے خیال میں زور دار بحث کی ہے بعض علما کی وہ بھی رائے ہے اور بعض حضرات کی وہ تحقیق ہے جس کی طرف ہم نے رسالہ "تصفیۃ الاذہان" میں اشارہ کیا ہے اور بعض فضلاء اس کے متعلق ناسخ اور منسوخ کی بھی بحث کرتے ہیں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علماء اور محدثین کی اس میں مختلف رائیں ہیں مجیب اگر فطین ہے تو اس کو اصل مطلب ہمارا سمجھ کر اس پر اعتراض کرنا چاہیے ہمارا دعویٰ محض اس قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کا حال معلوم تھا۔ بہت سے مواقع پر ہم نے مجیب کو سمجھانے کے لیے بعض امور لکھے تھے ان پر بے سمجھے اعتراض کرنے کو مجیب صاحب تیار ہو گئے بعض مقام پر صرف یہ بتانے کو کہ تعامل فقہائے حنفیہ کے نزدیک حجت ہے بعض کتبِ فقہیہ کی عبارتیں نقل کر دی گئی تھیں اس پر بھی مجیب ہر مسئلہ کی تحقیقات کرنے لگے۔ بندہ نواز یہ کون نہیں جانتا کہ اکثر جزئیاتِ فقہ میں فقہائے کرام ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں یہ کون نہیں جانتا کہ استعمالِ رومال میں علماء کے دو گروہ ہیں بعض نوافل کو جماعت سے ادا کرنے کے باب میں علماء فقہ کی دو جماعتیں ہیں مقصود

1..."مدارج النبوت"، باب اول در بیان حسن خلقت و جمال، 1/7۔

تو یہ تھا کہ دیکھو فقہاء کا ایک گروہ تعامل کو حجت بتاتا ہے اور بہت سے مسائل کو تعامل سے ثابت کرتا ہے مجیب کی قابلیت اور ذہانت کی داد ہم اس وقت دیتے جب وہ تعامل کو کلیۃ باطل کردیتا۔ رہا یہ اعتراض کہ بعض عبارتوں میں توارث کا لفظ ہے تعامل کا نہیں اور توارث اور تعامل میں فرق ہے اس کا جواب مختصر یہ ہے کہ توراث میں اعلیٰ درجے کا تعامل ہے۔

اعتراضات متعلقہ تراجم کے جواب

"ما اسرع" کے لفظی معنی "کس قدر جلد" کے ہیں میں نے حاصلِ ترجمہ اس کا لکھ دیا تھا اس لیے کہ جس چیز کے احساس میں سرعت اور تیزی ہوتی ہے وہ سخت ہوتی ہے۔

"یا عین فابکی ولا تسأمی" اس کے ترجمہ میں "صرف" کا لفظ بڑھا دیا گیا تھا اگر آپ اس قدر لکیر کے فقیر ہیں تو اس کو نکال دیجیے اور یوں ترجمہ کرلیجیے کہ "اے آنکھ رو اور غمگین نہ ہو" اب فرمایئے کہ اس ترجمہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے سٔامت کے معنی لغت میں ملال کے ہیں اور ملال کے معنی رنج و غم کے ہیں کیا اکتانے میں ملال اور غمگینی طبیعت کو نہیں ہوتی! آپ نے اکتانے کا ترجمہ کیا اور میں نے غمگین ہونے کا دونوں کا حاصل اس جگہ ایک ہے۔

"وکنا جمیعاً مع المھتدي" کے ترجمہ میں جو ہادی کا لفظ ہے وہ مہتدی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اردو دانوں کو سمجھانے کے لیے مشہور لفظ ہادی کا لکھ دیا گیا ہے اور اس سے مراد مہتدی کی ذات ہے۔

"جافیاً" کا ترجمہ اگر بد خلق کا مان لیا جائے تو کیا ظالم بد خلق نہیں ہوتا! مجیب صاحب آپ ترجموں میں اس قدر لفظی پابندی کیوں کرتے ہیں اور کٹھ ملوں کی طرح جابجا لفظی اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ افسوس اب معلوم ہوا کہ آپ اب تک اوراق طفلان میں اٹکے

ہوئے ہیں دنیا ومافیہا سے بالکل کورے اور نابلد ہیں، اجی حضرت تراجم میں اکثر حاصل معنی کا ذکر کر دیا جاتا ہے بہت سے مقامات پر لفظی ترجمہ چھوڑ کر محاورہ کے معنی لکھے جاتے ہیں اور بہت سے مقامات پر لفظی ترجمہ بھی کیا جاتا ہے آپ ذرا آنکھیں کھولیئے اور دنیا کو دیکھئے۔

حجۃ الوداع کے متعلق اس سے مراد وہ روایت ہے جو حجۃ الوداع کے متعلق ہے خود حج کو رخصت کرنا مراد نہیں یہ آپ کی خوش فہمی ہے کہ آپ اس عبارت سے خود حج کو رخصت کہنا سمجھ گئے حالانکہ عربی عبارت کے ترجمہ میں ہم نے صاف بیت اللہ کے رخصتی کا ذکر کیا ہے اسی سے مجیب کو سمجھنا چاہیے تھا کہ ان الفاظ سے مراد روایتِ متعلقہ ہے نہ کہ خود حج کو رخصت کرنا۔

"ثمّ ودع البیت وانصرف راجعاً الی المدینۃ" پھر بیت اللہ کو آپ نے رخصت کیا اور مدینہ کو روانہ ہوئے اس سے انکار نہیں کہ آپ نے طواف بیت اللہ کیا بلکہ اسی اخیرِ طواف سے آپ نے بیت اللہ کو رخصت کیا رخصتی کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے ظاہری ہوتی ہے اور کبھی باطنی۔

اعتراضات متعلقہ زباندانی کے جواب

(اعتراض:1) علمیت کس زبان کا لفظ ہے اور اس میں یائے تحتانی اور تائے فوقانی کیسی ہے، ص142

مولوی اسحاق صاحب ع

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را[1]

ہم کو آپ نے اس غلطی کی بدولت جو کچھ کہا اچھا کیا مگر آپ کے استاد علامہ مولانا محمود حسن صاحب بھی اس غلطی کے مرتکب اور خطاوار ہیں۔ "جہد المقل" ص10[2] میں لکھتے ہیں: ” اور اظہار علمیت کا تو سو کوس بھی خیال نہیں ہو سکتا۔“ اب فرمایئے یہ علمیت رشک جہلیت ہی ہے یا نہیں مولانا محمود حسن کو صحیح تلفظ کا سلیقہ ہے یا نہیں، مولوی صاحب کو کچھ لکھنا پڑھنا آتا ہے یا نہیں؟ افسوس ع

سعدیا سبقے مدہ شاگرد بے بنیاد را خود فراموشی کند تہمت دہد استاد را[3]

آپ کے ثانی بانی اسلام[4] مولوی رشید احمد "لطائفِ رشیدیہ" ص36[5]، میں لکھتے ہیں خصوصیت ازواجِ مطہرات کو اس میں کچھ نہیں۔ آپ کے مولانا قاسم رسالہ "تصفیۃ العقائد" ص11[6] میں لکھتے ہیں کہ یہ کمی ایسی ہی ہوگی جیسے نماز کی فرضیت اور روزہ کی فرضیت۔ آپ کے حکیم الامت "جزاء الاعمال" ص19[7] میں ارشاد کرتے ہیں: مقرر کی

1...ہوش رکھ! پاؤں کے نیچے دھاری دار تلوار ہے

2..."جہد المقل"، 1/10۔

3...اے سعدی! بے اصل شاگرد کو کچھ سبق نہ دے۔ خود بُھلا دے گا تہمت استاد پہ لگا دے گا۔

4..."مرثیہ محمود حسن"، ص4۔

نوٹ: دیوبند کے ایک بڑے فاضل نے مولوی صاحب کو یہ لقب دیا ہے۔ 12 امنہ

5..."تالیفات رشیدیہ"، رسالہ: لطائف رشیدیہ، ص699۔

6..."تصفیۃ العقائد"، 1/10۔

7..."جزاء الاعمال"، دوسرا باب، فصل 7، ص17۔

جاتی ہے اس کے لیے قبولیت دنیا میں۔ مجیب صاحب اب بولئے خصوصیت، فرضیت، قبولیت یہ سارے الفاظ ٹھیک ہیں یا لغویت اور جہلیت سے بھرے ہوئے ہیں، ان حضرات کو کچھ سلیقہ تلفظ کا تھا یا نہیں، یہ لوگ آپ کے نزدیک عالم ہیں یا کچھ اور؟

قطعہ

تم عشق کو سمجھے تھے کہ لڑکوں کا ہے اک کھیل ۔۔۔ یہ کھیل تو بازیچہ اطفال نہ نکلا

جو پیچ ازل کے ہوں نکلتے نہیں ہرگز ۔۔۔ سیدھا تری زلفوں کا کوئی بال نہ نکلا

فاضل مجیب کہاں تک آپ کو بتاؤں اور کتنا آپ کو سکھاؤں؟ ذرا شعرا، فضلا اور ماہرین کے کلاموں پر نظر فرمایئے پھر دیکھئے کس قدر الفاظ آپ کو ملتے ہیں امنیت، جمعیت، لغویت، بشریت، زوجیت، فرویت، جسمیت، فعلیت یہ سب الفاظ محاورہ میں بولے جاتے ہیں یا سب کے سب آپ کے نزدیک غلط ہیں؟ کیوں مجیب صاحب آپ کی جہلیت صحیح لیکن میری علمیت غلط؟ یہ کیسی سینہ زوری اور دلیری ہے!

قطعہ

ضد یہ مجھ سے دشمنی مجھ سے عداوت مجھ سے ہے ۔۔۔ ان کے بے سمجھے مری ہر بات کا کہنا غلط

مضطرب دل پر نگاہِ قہر تھی عین خطا ۔۔۔ بندہ پرور یہ نشانہ آپ نے تاکا غلط

اچھا اب ملک الشعرا حضرتِ ذوق کا کلام ملاحظہ فرمایئے:

ذہن میں سب میرے حاضر صور علمیہ ۔۔۔ پھر جتانی نہ تھی منظور مجھے علمیّت

(دیوانِ ذوق)

اب فرمایئے خاقانیِ ہند کی علمیت صحیح ہے یا آپ کی جہلیت!

ادائیگی کس ٹکسال کا ڈھلا ہوا لفظ ہے؟ ص 150

مہربانِ من یہ لفظ تمام لوگوں کے زبان زد ہے اخبارات میں کم سے کم پچاسوں جگہ آپ کو یہ لفظ ملے گا[1]۔ فائدہ: قانون کی کتابوں میں متعدد شہادتیں اس کی مل سکتی ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم مان لیں کہ یہ لفظ بالکل غلط اور سراسر غلط ہے تو حضرت اعتراض کرنے سے پہلے آپ کو اپنے گھر کی خبر لینا چاہیے تھا۔ اس کے بعد دوسروں پر تبرا کہتے، حضرت آپ نے میری ایک غلطی نکال کر دل کے پھپھولے توڑے ہیں مگر ع

اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

آپ کے استاد علامہ محمود حسن صاحب "جہد المقل" صفحہ 7[2] میں لکھتے ہیں کہ مولوی احمد حسن کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے خود آپ بھی صفحہ 83 میں اس لفظ کو لکھتے ہیں، مولانا شکریہ کس ٹکسال کا ڈھلا ہوا لفظ ہے؟ آپ کو اور آپ کے استاد کو ٹیں ٹیں اور نبی جی بھیجو کا فرق معلوم ہے یا نہیں؟

ص 35 میں لکھتے ہیں: "اور بلا تحقیقِ حق" اور ارشاد کرتے ہیں "بلا تعینِ منشاءِ نزاع"۔[3] اساتذہ فرماتے ہیں کہ "بلا" ایک حرف ہے آدھا فارسی، آدھا عربی، یہ غیر

1... ابھی اسی سال صدر مجلس استقبالیہ مسلم لیگ کلکتہ کی جو تقریر "ہمدم" مؤرخہ 4 جنوری میں شائع ہوئی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں: (1) "معاف فرمائیں گے جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں میری ناقابلیت کی وجہ سے سرزد ہوں" (2) "امسال فریضۂ حج کی ادائیگی کیلیئے۔" (ہمدم مؤرخہ 2 جون) یہ اخبار لکھنؤ سے نکلتا ہے جہاں کے لوگ اہل زبان ہیں اور ایڈیٹر نے کچھ اعتراض نہ کیا بلکہ اس لفظ کو قائم رکھا۔

2... "جہد المقل"، 1/7۔

3... "جہد المقل"، 1/35۔

ضروری اور غیر فصیح ہے۔

ص 45 میں فرماتے ہیں: "بعض تو لاچار ہو کر یہ کہہ اٹھے"۔[1] اساتذہ فرماتے ہیں کہ "لاچار" بولنا بالکل ناجائز ہے اس کو ناچار رکھنا چاہیے۔ مجیب صاحب ہم تو مولوی صاحب کی شان میں کچھ کہہ نہیں سکتے اگر آپ یہ فرمائیں کہ ابھی تو آپ کو ٹیں ٹیں بھی کرنا نہیں آتا تو غالباً بے موقع نہ ہو گا۔

ص 25 میں لکھتے ہیں: "واجب تعالٰی کی کلام ہو یا انسان کی کلام ہو۔"[2] سبحان اللہ خدا کی کلام مؤنث نبی کی کلام مؤنث سب کی کلام مؤنث! کیوں مجیب صاحب جناب مولانا نے کبھی تاج الملوک کے طلسمی حوض میں تو غوطہ نہیں لگایا تھا آخر ان کے نزدیک سب کی کلام مؤنث کیوں ہے؟ مہربان بندہ لفظ "کلام" مذکر ہے، حضرت داغ فرماتے ہیں:

بعد استاد ذوق کے کیا کیا   شہرت افزا کلام داغ ہوا

مرزا غالب لکھتے ہیں:

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل   سن سن کے اسے سخنوران کامل

مولانا "نزاع" کو صفحہ 64 میں مذکر لکھتے ہیں[3] حالانکہ اردو میں مؤنث ہے صحیح لفظ "دوم" ہے آپ کے فاضل مولانا اس کو جابجا "دویم" لکھتے ہیں، ہمارے اعتراضات کا یہ نمبر اول ہے اس کے بعد ان شاءاللہ سلسلہ وار غلط نامہ پیش کیا جائے گا، سچ فرمایا حضرت داغ نے کہ

1... "جہد المقل"، الباب الاول، 1/45۔

2... "جہد المقل"، 1/25۔

3... "جہد المقل"، 1/64۔

نہیں کھیل، کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دے ۔۔۔۔ کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

ممکن ہے کہ پچھلے دنوں نمبروں کو دیکھ کر مولوی اسحاق صاحب اور ان کے رفقا ہم پر سخت برہم ہوں لیکن ناظرینِ کرام اور ان کی خدمت میں ہم اس قدر عرض کر دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں لکھا ہے بلکہ لفظِ علمیت اور ادائیگی کے استعمال سے جو کچھ مولوی اسحاق صاحب نے ہم کو لکھا ہے انہیں کے الفاظ کو ہم نے دہرا دیا ہے۔ ان کا وبال بھی انہیں کی گردن پر ہے، میں انصافاً اس الزام سے بری ہوں۔

تحقیقِ بدعت

لفظِ بدعت کے معنی لغت میں نو پیدا کے ہیں عام اس سے کہ کوئی عادت نئی ہو یا عبارت نئی ہو لیکن اصطلاحِ شرع میں اس کے دو معنی ہیں: (1) ما لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو امرِ دینی زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو وہ بدعت ہے۔ جن حضرات نے بدعت کی یہ تفسیر فرمائی ہے ان میں دو قسم کے بزرگوار ہیں بعض نے بدعت کی دو قسمیں قرار دی ہیں (1) بدعتِ حسنہ (2) بدعتِ سیئہ اور بعض نے پانچ قسمیں بتائی ہیں: (1) بدعتِ واجبہ (2) بدعتِ مندوبہ (3) بدعتِ مباحہ (4) بدعتِ محرمہ اور (5) بدعتِ مکروہہ۔ الف اول اور الف ثانی کے اکثر بزرگوں کا یہی رنگ ہے الف ثانی میں امام الطریقہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقسیم سے انکار فرمایا اور بدعت و سنت کو مقابل بتایا لیکن حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفہومِ سنت کو اس قدر عام فرمایا ہے کہ بہت سے اعمال و اشغال وغیرہا بدعاتِ حسنہ اس میں داخل ہیں اس عموم پر خیال کرتے ہوئے حضرت امام الطریقہ رضی اللہ عنہ کا قول دوسرے بزرگوں کے خلاف نہیں رہ جاتا؛ کیونکہ جو امور قواعدِ شرعیہ میں داخل ہیں وہ حقیقت میں سنت ہیں۔

معنی دوم (2) جو امرِ جدید سنت کے مخالف اور مزاحم ہو وہ بدعت ہے، بہت سے ائمہِ دین سے بدعت کے یہ معنی منقول ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاءاللہ ہم اخیر میں کریں گے۔

پہلے احادیث پر نگاہ کرو ((کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))[1] ہر بدعت گمراہی ہے۔ ((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) بخاری و مسلم[2]۔ جو کوئی ہمارے دین میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔

اب غور کرو دین اس قانونِ الٰہی کا نام ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے حضرات انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے وحیاً ہم تک پہنچایا یہ قانونِ ہدایت ہر قوم اور ہر ملک کے لیے زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتا رہا ہزارہا سال کے بعد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کو بہ حکمِ ربانی مکمل فرمایا اور اس کے اصول، فروع، فرائض، واجبات، آداب، مستحبات، حرام اور حلال سب بتادیئے مگر چونکہ مسائلِ جزئیہ کی کوئی حدو نہایت نہیں اس لیے حضرت شارع علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے مسائل کے لیے قواعدِ کلیہ اور اصولِ مجملہ ارشاد فرمادئے، اب جو امرِ جدید قرآن وحدیث اجماع یا قواعدِ مقررۂ شرعیہ کے خلاف ہوگا وہ بلاشبہ بدعت ہوگا اور مَا لَيْسَ مِنْهُ میں داخل ہوگا۔

محدثِ کبیر علی قاری[3] مَا لَيْسَ مِنْهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص اسلام میں ایسی رائے نکالے جس کے لیے کتاب اور سنت سے نہ کوئی سندِ ظاہر ہو نہ خفی نہ ملفوظ ہو اور

1... "نسائی"، کتاب صلاۃ العیدین، کیف الخطبۃ، ص274، حدیث:1575۔

2... "بخاری"، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، 2/211، حدیث:2697، "مسلم"، کتاب الاقضیۃ، باب نقض احکام الباطلۃ، ص731، حدیث:4492۔

3... "مرقاۃ المفاتیح"، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، 1/366، تحت الحدیث:140۔

نہ مستنبط پس وہ مردود ہے۔

اور ایسے امور کا ایجاد کرنا جو کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو وہ مذموم نہیں ہے۔

اور علامہ عینی نے ((شَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدثاتُھا)) کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ امر جدید جس کے لیے کوئی ایسا قاعدہ یا اصل ہو جس پر شرع دلالت کرتی ہو وہ بدعت نہیں ہے۔[1]

اسی مضمون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "مسلم"[2] کی روایت میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: ((مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَه اَجْرُها وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِها)) الحدیث یعنی جو کوئی اچھا طریقہ اسلام میں جاری کرے پس اس کا اجر اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ہے اور جو کوئی بُرا طریقہ جاری کرے اس کے لیے اس کا وبال اور اس پر عمل کرنے والوں کا وبال ہے۔

علامہ شامی[3] فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قواعدِ اسلام سے ہے۔

لہٰذا اس قانونِ شرعی کے مطابق جو فعلِ محمود قیامت تک ایجاد ہو گا وہ ہر گز ہر گز بدعت نہ ہو گا، اس کے علاوہ قواعدِ شرعیہ جس فعل کی تائید کریں گے وہ کبھی مردود نہیں ہو سکتا۔

اس واسطے علامہ شیخ احمد رومی اور علامہ محمد آفندی برکلی[4] ''بدعتِ شرعیہ'' کی یہ

1... "عمدۃ القاری"، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، 16/504، تحت الحدیث:7277۔

2... "مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ...الخ، ص394، حدیث:2351۔

3... "رد المحتار"، المقدمۃ، 1/140۔

4... "الطریقۃ المحمدیۃ"، الباب الاول، الفصل الثانی فی اقسام البدعۃ، تعریف البدعۃ والسنۃ، 1 315۔

تعریف کرتے ہیں کہ دین میں کسی چیز کا بڑھانا یا گھٹانا بغیرِ حکمِ شارع کے نہ قولاً نہ فعلاً نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً بعد صحابہ کرام کے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام شافعی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں کہ بدعتِ شرعیہ اس فعلِ جدید کا نام ہے جو قرآن، حدیث یا اثر، اجماع کے مخالف ہو۔[1]

ابن تیمیہ "منہاج السنۃ"[2] میں لکھتے ہیں کہ امرِ حادث اگر اصول شرع کے موافق ہو تو وہ بدعتِ حسنہ ہے۔

"شرح سفر السعادۃ"[3] میں ہے کہ جو امرِ محدث مخالفِ سنت اور اس کا مغیر ہو وہ گمراہی ہے۔

امام غزالی "احیاء العلوم"[4] میں فرماتے ہیں کہ ممنوع وہ بدعت ہے جو سنت کے مخالف ہو اور اس کو رد کرے۔

ملا علی قاری "شرح عین العلم"[5] میں لکھتے ہیں کہ جو نئی چیز ایجاد کی جائے وہ مَنْهِيٌ عَنْهُ نہیں ہے بلکہ ممنوع وہ فعلِ بد ہے جو سنتِ ثابتہ کے مخالف ہو۔

حضرتِ شیخ عبدالحق محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو امر نوپید موافقِ اصول اور قواعدِ سنت کے ہو اور ان پر قیاس کیا گیا ہو وہ بدعتِ حسنہ

1... انظر "سیر اعلام النبلاء"، 1539-الامام الشافعی...الخ، 8/408۔

2... "منہاج السنۃ"

3... "شرح سفر السعادت"، فصل در خطبۂ نبویہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم در روز جمعہ، ص202۔

4... "احیاء علوم الدین"، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، الباب الثانی فی ظاہر آداب التلاوۃ، 1/366۔

5... "شرح عین العلم وزین الحلم"، الباب التاسع، 1/510۔

ہے۔[1]

مولانا عبد الحی صاحب مرحوم بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ جو امر دینی نہ بذاتہ قرونِ ثلاثہ میں پایا جائے اور نہ اس کی کوئی نظیر موجود ہو اور نہ کوئی دلیل ادلّہ شرعیہ سے اس کے متعلق ہو، نہ قواعدِ شرعیہ میں سے کسی قاعدہ میں داخل ہو وہ بدعت ہے۔[2]

پچھلے تمام اقوال کا حاصل ایک ہے اور قائلینِ تقسیمِ بدعت کے نزدیک بدعتِ محرمہ اور بدعتِ سیئہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اس تحقیق کے بعد اب اصلِ مطلب پر توجہ کرو خطبۃ الوداع میں تمام ارکان خطبہ کے موجود ہیں اس خطبہ میں نوحہ ممنوعہ ہرگز نہیں ہے۔ الفاظِ ماثورہ پر زیادہ کرنے کا ثبوت قرونِ اولیٰ میں موجود ہے۔ قواعدِ شرعیہ اس کی تائید کے لیے ہمہ تن تیار ہیں پس اس خطبہ کو کون منصف بدعت اور ضلالت کہہ سکتا ہے؟ اسی معیار پر اور امورِ اختلافیہ کو بھی جانچ کر اطمینان کر لو مثلاً فاتحہ، عرس، میلاد، قیام وغیرہا۔ مطلقاً یہ کہہ دینا کہ جو امرِ دینی قرونِ ثلاثہ میں نہ پایا جائے وہ بدعت ضلالت ہے سخت زیادتی اور افسوس ناک غلطی ہے۔

حیرت یہ ہے کہ خود ایسے امور کے مرتکب ہیں اور ایسے اشغال میں منہمک ہیں جو ہرگز قرونِ اولیٰ میں نہ تھے نہ کسی طور سے ان کی ہیئتِ کذائیہ کی نظیر پیش کر کر سکیں مگر اپنے لیے سب کو جائز مانتے ہیں، اللھمّ أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ۔

1... "اشعۃ اللمعات"، کتاب الایمان، باب الاعتصام والسنۃ، 1 / 135۔

2... "مجموعہ رسائل لکنوی"، رسالہ: ردع الاخوان، 2/370۔

دیوبندی تہذیب کے چند نمونے

1۔ یہ کہنا بلکہ ماننا پڑے گا کہ حضور پر نور اوانسٹھ برس کی عمر تک باوجود یہ کہ حضور کو معراج حاصل ہو چکی تھی عشرہ مبشرہ کو بھی مبشر بہ جنت فرما چکے تھے اور من جانب اللہ تعالیٰ تشریفات و تکریمات روز افزوں سے مشرف ہو چکے تھے اپنی نجات و مغفرت میں متردد اور غیر موقن تھے۔ "قاطع الورید" ص106۔

2۔ تمام اذکارِ رسول کو چھوڑ کر صرف ذکرِ ولادت ہی کی تعظیم کرنا ایجادِ بندہ اور سراسر گندہ ہے پھر انواعِ تعظیم میں صرف قیام کو متعین کرنا گندہ در گندہ ہے۔ ص138۔

3۔ اگر اسی کا نام حبِ رسول اور عشقِ رسول ہے تو علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ص136۔

4۔ الوداع والفراق کا شور مچانا مستبدعین ہے جیسے احمق گدھوں کا کام ہو سکتا ہے۔ ص59۔

5۔ اگر کوئی شخص کہے کہ مستبدعین اُلو گدھے ہوتے۔ ص99۔

نوٹ: مستبدعین سے مراد وہی حضرات ہیں جو مولد و قیام و خطبۂ وداعیہ کو جائز مانتے ہیں۔ حضرات انصاف فرمائیے کہ کیسے کیسے اکابر علماء وفقہاء و صلحاء اس کو جائز جانتے ہیں و کرتے چلے آرہے ہیں اس وقت بھی علماءِ اہلسنت عرب و عجم اس فعلِ ممدوح کو عمل میں لا رہے ہیں پس وہ سب کے سب دیوبندیوں کے نزدیک اُلو گدھے احمق حق دار لعنت ہوئے! نعوذ باللہ ہذا، اس پر طرہ یہ کہ جب کہئے کہ آپ بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں و توہین کرتے ہیں تو صاف انکار۔

ناظرینِ کرام! دیوبندی تہذیب کے یہ چند نمونے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں ورنہ انکی ساری کتابیں ایسی شرمناک تہذیب اور تحریر سے بھری ہوئی ہیں خصوصاً

"قاطع الورید" وہ تو سراپا مجموعہ سب و شتم ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم کو ادب اور تہذیب کی توفیق دے اور تعظیمِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم وبزرگانِ عظام رضی اللہ عنہم سے ہمارے ایمان کو کامل فرمائے، اٰمین۔

مآخذ و مراجع

القرآن الکریم		کلامِ باری تعالیٰ	
کتاب	**ناشر وسنِ اشاعت**	**کتاب**	**ناشر وسنِ اشاعت**
کنز الایمان	مکتبۃ المدینہ کراچی	کتاب الثقات	دارالکتب العلمیہ بیروت،1419ھ
مسند احمد	دارالفکر بیروت،1414ھ	بحر الرائق	دارالکتب العلمیہ بیروت،1418ھ
صحیح البخاری	دارالکتب العلمیہ بیروت، 1419ھ	الفتاوی الکبری	دارالکتب العلمیہ بیروت،141۷ھ
صحیح مسلم	دارالکتاب العربی بیروت، 1427ھ	در مختار	دارالمعرفۃ بیروت،1420ھ
سنن ترمذی	دارالفکر، بیروت 1412ھ	ردالمحتار	دارالمعرفۃ بیروت،1420ھ
سنن نسائی	دارالکتب العلمیہ بیروت،2009ء	مجموعہ رسائل لکھنوی	انتشارات شیخ الاسلام احمد جام 1382ھ
معجم اوسط	دارالکتب العلمیہ بیروت، 1420ھ	فتاوی رضویہ	رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ
مشکاۃ المصابیح	دارالکتب العلمیہ بیروت،1424ھ	احیاء علوم الدین	دار صادر بیروت،2000ء
المطالب العالیہ	دارالکتب العلمیہ بیروت،1424ھ	الطریقۃ المحمدیۃ	دارالکتب العلمیہ 1432ھ
اللآلی المصنوعۃ	دارالکتب العلمیہ بیروت 1996ء	حدیقہ ندیہ	دارالکتب العلمیہ 1432ھ
شرح معانی الآثار	دارالکتب العلمیہ بیروت،1422ھ	مجمع بحار الانوار	مکتبۃ دارالایمان 1415ھ
عمدۃ القاری	دارالفکر بیروت،1418ھ	مدارج النبوت	مرکز اہلسنت برکات رضا
مرقاۃ المفاتیح	دارالفکر بیروت،1414ھ	شرح سفر السعادت	نوریہ رضویہ 1431ھ
اشعۃ اللمعات	کوئٹہ 1332ھ	سیر اعلام النبلاء	دارالفکر بیروت،1417ھ

تاریخ الخمیس	دار الکتب العلمیہ، 2009ء	المنجد فی اللغۃ	انتشارات الاسلام 1380ھ
لطائف المعارف	المکتبۃ العصریۃ بیروت، 1430ھ	جزاء الاعمال	۞ ۞ ۞
النخب الجلیلۃ	مکتبہ علمیہ مکۃ المکرمۃ، 1374ھ	جہد المقل	ساڈھورہ، 1431ھ
شرح عین العلم	مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ	تصفیۃ العقائد	سہارنپور ہند، 1434ھ
الدعامۃ فی احکام سنۃ العمامۃ	مطبعۃ الفیحاء شام 1342ھ	تالیفات رشیدیہ	لاہور، 1412ھ
		مرثیہ محمود حسن	سہارنپور، ہند

فہرست

رمضان نام کی وجہ اور اس کے چند نام

مفتی احمد یار خان رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: بعض مفسرین رَحِمَہُمُ اللہُ تعالٰی نے فرمایا کہ جب مہینوں کے نام رکھے گئے تو جس موسم میں جو مہینا تھا اُسی سے اُس کا نام ہُوا۔ جو مہینا گرمی میں تھا اُسے رمضان کہہ دیا گیا اور جو موسمِ بَہار میں تھا اُسے ربیعُ الاوّل اور جو سردی میں تھا جب پانی جم رہا تھا اُسے جُمادِی الاُولٰی کہا گیا۔ اسلام میں ہر نام کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور نام کام کے مُطابِق رکھا جاتا ہے۔ رمضان بہت خوبیوں کا جامع تھا اِسی لئے اس کا نام رَمَضَان ہوا۔

اس ماہِ مبارک کے کل چار نام ہیں (1) ماہِ رمضان (2) ماہِ صَبْر (3) ماہِ مُؤاسات اور (4) ماہِ وُسْعَتِ رِزق۔ روزہ صبر ہے جس کی جَزاء رَب عَزَّوَجَلَّ ہے اور وہ اِسی مہینے میں رکھا جاتا ہے۔ اِس لئے اِسے ماہِ صبر کہتے ہیں۔ مُؤاسات کے معنٰی ہیں بھلائی کرنا۔ چونکہ اس مہینے میں سارے مسلمانوں سے خاص کر اہلِ قرابَت سے بھلائی کرنا زیادہ ثواب ہے اِس لئے اسے ماہِ مُؤاسات کہتے ہیں اِس میں رزق کی فَراخی بھی ہوتی ہے کہ غریب بھی نعمتیں کھالیتے ہیں، اسی لئے اس کا نام ماہِ وُسْعَتِ رزق بھی ہے۔

(ماخوذ از فیضانِ رمضان، ص22-23و28 بحوالہ تفسیر نعیمی، 2/205، 208، ملتقطاً)